حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی گنج مرادآبادیؒ

سابق ناظم و مہتمم، مدرسہ مفتاح العلوم کے حالات زندگی اور

نادر و نایاب تحریریں، مکتوبات اور اصلاحی مضامین پر مشتمل ایک معلوماتی تحفہ

سوانحِ علی حسنؒ

مرتب

مفتی محمد جنید قاسمی گنج مرادآبادی

(استاذ شعبہ عربی مدرسہ مفتاح العلوم، گنج مرادآباد)

ناشر

مولانا علی حسن اکیڈمی گنج مرادآباد ضلع اناؤ یوپی

بڑے سکون سے ہوں گوشۂ مدفن میں اے ہمدم
سکونِ قلب سے لبریز پایا ہے یہ گھر میں نے

فریدی

سوانحِ علی حسنؒ

حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی
گنج مرادآبادیؒ سابق ناظم ومہتمم مدرسہ مفتاح العلوم کے
حالاتِ زندگی اور نادر ونایاب تحریریں، مکتوبات، اصلاحی
مضامین پر مشتمل ایک معلوماتی تحفہ

مرتب
مفتی محمد جنید قاسمی
استاذ مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد (اناؤ)

تفصیلات

نام کتاب	:	سوانحِ علی حسنؒ
مرتب	:	(مفتی) محمد جنید قاسمی
کمپیوٹر کتابت	:	ایم۔ انظار الحسن قاسمی غوث گنج، ہردوئی
صفحات	:	236
قیمت	:	200/ روپئے
باہتمام	:	حافظ محمد فرقان
		مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم گنج مراد آباد، اناؤ
تصحیح کتاب	:	مفتی محمد احسان صاحب قاسمی بلگرامی
		مولانا محمد سفیان صاحب مظاہری
سن اشاعت	:	
ناشر	:	مولانا علی حسن اکیڈمی، محلّہ انصار میدان
		گنج مراد آباد، ضلع اناؤ (یوپی)

9369648963 - 9140978242
Email: mohammadjunaidqasmi@.com

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 9956651699

فہرست عناوین

- ☐ پیش گفتار [مرتب] ۷
- ☐ حرفِ سند: حضرت مولانا شاہ افضال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم ۱۳
- ☐ سندِ شہادت: حضرت مولانا متین الحق اسامہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم ... ۱۵
- ☐ اولیاء اللہ کے احوال وکوائف مانند خضر راہ ہیں: حافظ محمد فرقان صاحب ۱۷
- ☐ مولانا علی حسنؒ؛ یادیں اور باتیں: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مظاہریؒ ۲۱
- ☐ حرف تحسین: حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی دارالعلوم دیوبند ... ۲۴
- ☐ مخلص کا سفینہ: حضرت مولانا نسیم احمد صاحب ندوی دامت برکاتہم ۲۶
- ☐ نقوش وتأثرات: حضرت مولانا نسیم احمد صاحب ندوی دامت برکاتہم ۳۰
- ☐ والد مرحوم- حالات واوصاف: حضرت مولانا محمد سفیان صاحب مظاہری ... ۳۳
- ☐ مولانا علی حسنؒ- ایک عظیم شخصیت: مفتی محمد ناصر الدین صاحب مظاہری ۳۹
- ☐ بافیض شخصیت: حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی دامت برکاتہم ۴۲
- ☐ حرفِ دعا: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مظاہری دامت برکاتہم ۴۵
- ☐ مولانا علی حسن فہمیؒ قابل قدر شخصیت: حضرت مولانا عبد الحنان صاحب قاسمی ۴۷
- ☐ باتیں ان کی یاد رہیں گی: حضرت مولانا مفتی محمد منیب صاحب دامت برکاتہم ۴۹
- ☐ تأثرات: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مظاہری دامت برکاتہم ۵۰
- ☐ جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے نیر اعظم ہوتا ہے: جناب عبد العظیم صاحب...... ۵۲
- ☐ حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمیؒ بحیثیت منتظم: مفتی محمد جنید قاسمی ۵۴
- ☐ سفر نامۂ حیات مولانا علی حسن صاحبؒ ایک نظر میں: مفتی محمد جنید قاسمی ۵۸

- آہ! حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمیؒ ۶۱
- باقیات شمع فروزاں ۶۸
- ایک دردمند مصلح کی شاعری ۶۹
- کلامِ فہمی پر ایک نظر ۷۱
- پیغام مفتاح العلوم ۷۴
- ترانہ مفتاح العلوم ۷۵
- منظوم خراج عقیدت ۷۷
- عاصی سے فہمی تخلص کیسے ہوا؟ ۷۸
- بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نعت پاک ۸۰
- مناجات (در فارسی) ۸۲
- نعت شریف ۸۳
- سلام بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ۸۴
- ترانہ مفتاح العلوم ۸۵
- نظم (بہار رمضان المبارک) ۸۷
- نعت شریف ۸۸
- نظم ۸۹
- نظم ۹۰
- ترانہ مدرسہ مفتاح العلوم ۹۱
- ترانۂ مفتاح العلوم ۹۲
- تذکرۂ عرفی ۹۴

- قطعۂ تاریخ بروفات: ڈاکٹر رفیق بلگرامی مرحوم ۹۷
- اصلاحی اور علمی مکتوب ۹۹
- حاسدین کا وجود صاحب کمال ہونیکی دلیل ہے ۱۱۰
- ہمارا سب کا، مقدرات پر ایمان ہے ۱۱۱
- گھر زیادہ نہ آیا کرو ۱۱۳
- اردو شروحات سے طلباء کو مجتنب رہنا چاہئے ۱۱۴
- امسال ۷۰رفیصد کامیابی لازم ہے ۱۱۵
- اصل چیز انہماک اور استغراق فی التعلیم ہے ۱۱۶
- عدم نور سے عدم برق لازم نہیں آتا ۱۱۷
- مقصود تعلیم دینیہ ہے ۱۱۹
- تحصیل علم کیلئے طلب صادق کی ضرورت ہے ۱۲۰
- مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور خدماتِ مدرسہ ۱۲۲
- تعارفِ مدرسہ ۱۲۴
- مدرسہ مفتاح العلوم کے ابتدائی دور کے احوال وکوائف ۱۲۶
- مدرسہ کی شکل میں علوم نبوت کی شمع روشن ہوئی ۱۲۸
- مدرسہ مفتاح العلوم کے قیام کا تاریخی پس منظر ۱۲۹
- پیغام ۱۳۲
- بوئے گل، راہِ گلستاں کا پتہ دیتی ہے ۱۳۳
- احساسِ دل ۱۳۴
- آنکھوں دیکھا حال ۱۳۵

- اسمائے گرامی حضرات اکابرین جن کی تشریف آوری ۱۳۷
- اصلاحی مضامین ۱۳۹
- مقصد کی یاددہانی ۱۴۰
- عرض مرتب ۱۴۱
- فضائل زکوٰۃ، صدقات اور عیدین ۱۴۲
- فضائل رمضان المبارک اور شب قدر ۱۴۵
- تواضع اور انکساری ۱۵۰
- عالم اسباب میں چین سے رہنے کی وجوہات ۱۵۴
- مصائب و پریشانی کی وجوہات ۱۶۷
- توبہ سے اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوتے ہیں ۱۶۹
- فضیلتِ شب برأت ۱۷۱
- بدعت کی تعریف ۱۷۵
- محمد ﷺ کی عظمت اہل اسلام پر مخفی نہیں ۱۹۳
- درِ یتیم کی پیدائش ۱۹۶
- حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند گوشے ۱۹۹
- زیارتِ قبور و آداب، منکرات و مکروہات ۲۰۷
- مقصد تخلیق ۲۲۲
- حضور ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۲۲۵
- توبہ کیجئے ۲۲۸
- آپ ﷺ کی رحمت عام تھی (تقریر) ۲۳۱
- اخلاص وللّٰہیت اور خدا کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے ۲۳۴

پیش گفتار

سوانحِ حضرت مولانا علی حسن قاسمی فہمی گنج مرادآبادی

حضرت کے انتقال کے بعد کافی دنوں سے، اِس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد کے سابق مہتمم، روح رواں اور ہر دل عزیز شخصیت، حضرت مولانا علی حسن قاسمی فہمی گنج مرادآبادیؒ کے سوانحی نقوش، مدرسہ مفتاح العلوم کا اجمالی تعارف (جہاں مولانا نے ۲۷/ سال تک منصب اہتمام پر فائز ہوتے ہوئے تدریسی خدمت انجام دی، اس مدرسے کی جی جان سے خدمت کی، نہ صرف تدریسی فریضہ، محنت و جانفشانی سے انجام دیا، بلکہ اس کے لیے چندہ بھی کیا، پوری عمر کے کم وبیش ۲۷/۲۸ سال کتابِ الٰہی، قرآنِ پاک کی تحفیظ وخدمت میں صرف کیے، ان کی زندگی اپنے ہمعصروں میں محنت اور جہد مسلسل، نیز خدمتِ دین کے اعتبار سے قابل رشک تھی، بہت قلیل عرصے میں ان کی تدریسی مہارت ومحنت کی شہرت عام ہوگئی) نیز ان کی علمی تحریریں، مضامین، غیر مطبوعہ نعت ومنقبت، مکتوبات اور اس ادارہ کی عظیم خدمات، جن حضرات نے جس طرح کا بھی تعاون کیا ہے، منظر عام پر لائے جائیں۔

حضرت الاستاذ مولانا علی حسن قاسمی فہمی گنج مرادآبادیؒ باقاعدہ کوئی خطیب یا مصنف نہیں تھے، بلکہ ان کی زندگی اپنے اکابر واساتذہ کے فیوض وبرکات کا مظہر تھی، ان کو اپنے اساتذہ سے جو کچھ سیکھنے کا موقع ملا تھا انہوں نے سیکھا، پھر اپنی کوشش بھر دین کی خدمت میں حیات مستعار کے گنے چنے لمحات، اعلاء کلمۃ اللہ اور بالخصوص اشاعت قرآن، محو بدعت، احیاء سنت، نشر دین، تحفیظ القرآن کی درسگاہ، رذائل کی اصلاح، خدمت خلق وجذبۂ نفع

رسائی،مقصد حیات،ان تمام عنوانات سے مولانا کی زندگی معنون تھی۔

یقیناً– یہ بات طے شدہ ہے کہ اکثر مشہور اور معروف شخصیتوں کے تذکرے ان کے بکھرے مضامین،مکتوبات،رسائل اوران کی دینی خدمات کومنظر عام پرلانے کی ہرایک کوشش کرتا ہے،اسی وجہ سے معروف و مشہور شخصیتوں کے کئی کئی تذکرے دستیاب ہوتے ہیں،حالانکہ کہ ہراس شخصیت کا تذکرہ جس نے بھی دین کی خدمت کے لیے زندگی وقف کی تو اس صحافی کے ذمہ یہ فرض ہے کہ،آئندہ آنے والی نسلوں کواس بات سے متعارف کرائے، اس علاقہ میں کن لوگوں کا فیض رواں ہے،اور یہ کام؛سوانح حیات کی تالیف وترتیب سے ہی پورا ہوگا۔

مشہور ومعروف عالم دین،حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب ندوی زید علمہ تحریر فرماتے ہیں:

> تذکرہ نگاری کا خاص مقصد بھی یہ ہی ہونا چاہیے کہ آنے والی نسلوں کی اصلاح وتربیت کیلیے علم وفضل،تقویٰ اور اخلاق حسنہ کا وہ دل آویز نمونہ سامنے لایا جائے،جس کو پڑھ کر حرکت وعمل کا جذبہ بیدار ہو،اور خوابیدہ صلاحیتوں میں نشاط امنگ اور حوصلے جنم لیں۔(خون جگر کے نقوش:۱۹۴)

معروف عالم دین،صاحب قلم،حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی استاذ ادب عربی ورئیس التحریر''الداعی''عربی دارالعلوم دیوبند،رقمطراز ہیں:

> چند شخصیتیں گم نام نہیں تو بہت نام آور اور عام قارئین کے لیے علم وعمل پر،وہ کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتی ہیں؛اس لیے ان کا احسان بھی ان کے تذکرے کا متقاضی ہوا اور یہ بھی کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بہت معروف اور لائق تذکرہ تھیں،نیز یہ کہ اصل تذکرہ نویسی تو یہی ہے کہ

بالکل گم نام یا قدرے نام آورہی کو معروف ومشہور کیا جائے، تاکہ صحرائے فضل وکمال کے مختفی ذرے بھی چمک اٹھیں، اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کیسے کیسے اہل کمال ہیں، جنہیں وہ اب تک نہیں جانتے تھے، مشہور کو مزید مشہور کرنا اور چمکتے ہوؤں کو چمکانا، بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تحصیل حاصل اور فعل عبث ہے، یہ زیادہ مفید کام نہیں ہے۔

لیکن دنیا والے اسی روشِ عام پر گامزن ہیں کہ، مشہور کو ہی اور مشہور کرتے رہتے ہیں، اور گم نام پر خامہ فرسائی نہیں کرتے۔

غالباً انہیں یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ گم ناموں یا نسبتاً کم معروف لوگوں پر لکھنے سے، وہ خود بھی گم نام اور بے نام ہو جائیں گے۔ (پس مرگ زندہ، مولانا نور عالم خلیل امینی: ۳۴، ۳۵)

جذباتِ شکر

فرحت وانبساط، رنج وغم اور حزن وملال کے ملے جلے احساسات وتأثرات سے دوچار ہوں، خوشی اِس بات کی ہے کہ؛ رب ذوالجلال نے اس ذرہ بے مقدار اور نالائق زمان کو استاذِ محترم کے حالاتِ زندگی اور ان کے مکتوبات گراں قدر پر تحریری مضامین لکھنے کی سعادت بخشی۔ ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے بعد میرا رواں رواں، اس کے حضور سر بسجود ہے کہ اس نے اپنے بے پایاں فضل وکرم سے کتاب کی ترتیب کے حالات مساعد فرمائے۔ مولانا کے انتقال کے بعد، ان کی زندگی پر کچھ لکھنے کے بارے میں خیال تک نہیں آیا تھا لیکن؛ جب لکھنے کا خیال آیا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ بس؛ دوچار مہینے میں کتاب منصۂ شہود پر آجائے گی ؛لیکن گزرتے وقت کے ساتھ سستی اور کاہلی بڑھتی گئی، بفضلِ رب، عزم وہمت اور حوصلے کا

چراغ کسی نہ کسی شکل میں روشن رہا۔الحمدللہ اب اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات کے ساتھ، یہ تاریخی اورگراں قدر سوانحی دستاویز آپ کے سامنے ہے۔

ہم اپنے کرم فرماؤں اوران صاحبان کاشکریہ بھی ضروری سمجھتے ہیں ،جن کاتعاون،اِس مجموعہ کی ترتیب وتحریر ،تحریروں کی فراہمی ،مکتوبات اور ان کی ذاتی ڈائریوں سے بھرپوراستفادہ کے مواقع فراہم ہوئے۔

قابلِ اطمینان بات یہ ہے کہ راقم السطور کے مخدومِ گرامی حضرت مولاناشاہ افضال الرحمٰن صاحب قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی نے نہایت بشاشت کے ساتھ مسودہ پرنگاہ ڈالی اورنہایت وقیع تقریظ تحریرفرمائی،اسی طرح مشفق ترین مخدومِ گرامی حضرت مولانا متین الحق اسامہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش وناظم جامعہ محمودیہ اشرف العلوم کانپور کا بے حد ممنون ہوں کہ ؛حضور والا نے مسودہ پرنظر فرماکر تائیدوتصویب فرمائی اورمفیدمشوروں سے نوازا ،جس پراحقر،ان کاتہہ دل سے شکریہ اداکرتا ہے ،مولانا مرحوم سے ،آپ کے بڑے گہرے نیازمندانہ تعلقات اور روابط تھے ،اکثر جلسوں میں ،ان کے آنے کاذکر ہے،اورحضرتؒ کے زمانے سے ہی یہ سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کوقبول فرمائے۔

گرامی قدر،صاحبِ علم حضرت مولاناخلیل احمد صاحب مظاہری زیدت حسناتہم کا شکرگزار ہوں،جن کی تائیدی تحریر سے کتاب کے حسن میں اضافہ ہوا۔علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی محمد ساجدصاحب قاسمی زیدفضلہ استاذتفسیر وادب دارالعلوم دیوبند،حضرت مولانا مفتی محمد ناصر الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم استاذ مدرسہ مظاہرعلوم (وقف) سہارنپور،حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی مدرس حدیث وفقہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ،ان سب علماء کرام نے اپنی قیمتی تحریروں سے نوازا، احقراِس کرم فرمائی پر اِن

اکابر علماء کرام کا تہہ دل سے مشکور ہے، اور اکابر کے حسن ظن کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہے۔

جناب حافظ محمد فرقان صاحب مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم کا شکریہ ضروری ہے کہ: موصوف نے اپنے والدِ محترم کے کتب خانے سے محفوظ رجسٹر، کاپیاں، بیاض اور اہم ترین تحریریں عنایت فرمائیں اور فراخ دلی سے مولانا کی سوانح کی ترتیب واشاعت میں حصہ لیا ،گرامی قدر حضرت مولانا نسیم صاحب ندوی زیدت حسناتہم (مدرس معہد سیدنا ابی بکر الصدیقؓ، مہپت مؤ لکھنؤ) کا بے حد ممنون ہوں ،جنہوں نے اپنے قیمتی اوقات کو فارغ کرکے اس کتاب کی تصحیح وترتیب میں دلچسپی دکھائی۔ اور اپنے قیمتی تأثرات تحریر فرما کر حوصلہ افزائی کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے

ناسپاسی ہوگی اگر اِس موقع پر علمی معاونین ،مالی تعاون کرنے والے اور حوصلہ دلانے والوں کا ذکر نہ کیا جائے ،استاذِ محترم حافظ محمد جاوید صاحب زیدت حسناتہم نے اپنے ذاتی کتب خانے سے مولانا کے مکتوبات کا ایک وافر حصہ ہمارے حوالہ کردیا، جس میں سے منتخب مکتوبات لے لیے۔ برادرِ عزیز مولانا محمد سفیان مظاہری صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ؛ موصوف نے بہت قیمتی مضمون اپنے والدِ محترم کے متعلق تحریر فرمایا اور پورے مسودے کی تصحیح میں کافی حد تک تعاون کیا، اللہ تعالیٰ اِن کو اِس کا صِلہ عطا فرمائے۔ برادرِ عزیز مفتی محمد احسان قاسمی زید لطفہ نے حسبِ سابق ،اِس کتاب میں بھی حوالجات کے تلاش کرنے اور مسودے کی پروف ریڈنگ میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ: ان کو ترقیاتِ علم سے مالا مال فرمائے۔

اپنے ان تمام دوست واحباب کا بے حد ممنون ہوں ،جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون سے نوازا، اللہ رب العزت ،اس کتاب کو اور اِس کے معاونین کو

اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ؛ اِس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور مولانا کے شاگردوں کیلئے مشعلِ راہ بنائے، اگر کتاب میں کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی طرف ضرور راہ نمائی فرمائیں؛ تاکہ اگلی اشاعت میں اس کی اصلاح کردی جائے، اللہ رب العزت شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

خاکپائے علی حسنؒ
محمد جنید قاسمی
خادم التدریس
مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد
۹؍رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ = ۱۵؍مئی ۲۰۱۹ء
بروز بدھ بوقت ۲؍بجے شب

حرف سند

حضرت مولانا شاہ افضال الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث اشرف المدارس ہردوئی
خلیفہ وترجمانِ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حامداً و مصلیاً و مسلماً. امابعد!

یہ ایک حقیقت ہے کہ امت کی رہبری و رہنمائی، تعلیم وتربیت، عقائد و اعمال کی حفاظت، افکار و نظریات کی اصلاح و ہدایت کا عظیم کام جس تسلسل کے ساتھ ہو رہا ہے، یہ کوئی اتفاقی و وقتی معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ایک حکیمانہ نظام ہے۔ چناں چہ؛ ہر دور میں اس طرح کے موفّق من اللہ افراد رہے ہیں کہ جن کی زندگی کا مشن ہی سنت وشریعت کے لئے جینا، اسی غم میں گھلنا و پگھلنا، شب و روز اسی کے لئے جد وجہد کرنا۔ بلاشبہ اس طرح کے لوگوں کی زندگیاں اور ان کے پاکیزہ حالات و واقعات یہ ملت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ جن سے ہر دور میں استفادہ کیا جاتا رہا، قرآن پاک میں بھی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے سچے وارثین، صالح مخلص نقش قدم پر چلنے والوں کا تذکرہ بطور خاص کیا گیا ہے؛ تاکہ افراد وقوم کی اصلاح وہدایت، اور ان کی سیرت سازی کے لئے مشعل راہ بنایا جائے، پیش نظر کتاب (سوانح علی حسنؒ: حضرت مولانا علی حسن صاحبؒ) بھی اسی سنہرے سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو کہ رفیق محترم جناب مولانا علی حسن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ہے۔ ان کا دائرۂ عمل اگرچہ علاقائی تھا؛ مگر دین کی جو شمع روشن کی تو فضا کیسی تھی؟ ماحول کیسا تھا؟ جن سے سابقہ تھا وہ کس خیال کے تھے؟ کیسے کیسے اتار چڑھاؤ آئے؟ اس سلسلے میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا

مقابلہ کس پامردی سے کیا؟ کیا کیا قربانیاں دیں؟ ان چیزوں میں آج کے ذہنی وفکری آزادی وبے دینی کے ماحول میں کام کرنے والوں کے لئے بہت کچھ رہنمائی ہے۔

جناب مفتی محمد جنید صاحب قاسمی مبارکباد کے مستحق ہیں؛ کہ انہوں نے اس ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے مولانا کی زندگی پرقلم اٹھایا، اوراس کام کوانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کوقبول فرمائے۔ آمین

محمد افضال الرحمٰن

خادم اشرف المدارس ہردوئی

مؤرخہ ۶/صفرالمظفر ۱۴۴۱ھ، ۶/ اکتوبر ۲۰۱۹ء

سند شہادت

فخر الملت، مجاہد اسلام حضرت مولانا متین الحق اسامہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
ناظم جامعہ محمودیہ اشرف العلوم، کانپور وصدر جمعیۃ علماء اتر پردیش

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

علم وعمل، ورع وتقویٰ، سلوک ومعرفت کی عظیم بافیض شخصیت حضرت مولانا شاہ فضل رحماں صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کون ناواقف ہوگا، جہاں سے فیض حاصل کرنے کے لئے، اپنے وقت کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی زحمت سفر برداشت کی لیکن؛ یہاں بھی وہی ہوا جو ملک کی بہت سی بڑی خانقاہوں کے ساتھ ہوا، بعد والے اس میراث کو سنبھال نہ پائے، اور کتاب وسنت کی اشاعت کے بجائے: شرک وبدعت اور غیر شرعی اموررسوم نے اپنی حکمرانی قائم کردی۔ کڑھنے والے یہ منظر دیکھ کر کڑھے ہوں گے، آنسو بہائے ہوں گے کہ؛ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے، اِسی قصبہ گنج مرادآباد ضلع اناؤیوپی میں ایک بچہ پیدا ہوا(۱)، ماں باپ نے اس کا نام علی حسن رکھا، یہ بچہ گاؤں، قصبہ سے نکل کر ملکِ ہند، عالمِ اسلام کی دل کی دھڑکن، علم وفکروروحانیت کی بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند پہونچا اور وہاں سے علم وحکمت، اور اسلاف کی فکر صحیح سے مزین ہوکر اس امانت کی حفاظت کا جذبۂ صادق لیکر سرزمین گنج مرادآباد واپس آیا یہاں آکر ایک علمی درسگاہ، مدرسہ مفتاح العلوم (علم کی کنجی) کی بنیاد رکھی، اور پھر اپنی پوری زندگی، پوری توانائی، اس کی آبیاری میں خرچ کردی، سخت حالات میں بھی اس جری اور بہادر شخص نے اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اسی بچہ

(۱) مولاناؒ کی پیدائش غوث گنج کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ص ۵۷

کو دنیا نے حضرت مولانا علی حسن فہمی قاسمی گنج مرادآبادی کے نام سے جانا۔

مولانا علی حسن مضبوط علم وقوتِ ارادی کے مالک تھے، انہوں نے علمی محاذ پر کام کیا، اِصلاحِ امت کے لئے بے شمار اِصلاحی جلسے ودیگر پروگرام کے ذریعہ سیکڑوں لوگوں کے دین وایمان وفکر کی اِصلاح کی۔ مولانا اچھے شاعر بھی تھے، اللہ پاک نے بے پناہ ہمت وحوصلہ دیا تھا، ورنہ قصبہ میں ادارہ کا قیام اور اِصلاحی کام آسان نہ تھا، اہلِ بدعت سے سخت مزاحمت کا سامنا تھا۔

آج الحمد اللہ ادارہ تعلیمی واِصلاحی مشن پر گامزن ہے، اہلِ مدرسہ اکابر سے رابطہ رکھتے ہیں، علماء ومشائخ کی آمد ہوتی رہتی ہے، مولاناؒ کے خلفِ اکبر حافظ محمد فرقان صاحب نیک طبیعت کے مالک ہیں اور علماء کے مشورہ سے الحمد اللہ ادارہ کو ترقی کی طرف لے جارہے ہیں، بندہ اکثر وبیشتر یہاں حاضر ہوتا رہتا ہے، حضرت مولانا علی حسنؒ بہت محبت فرمانے لگے ان کے صالح اخلاف بھی اِسی محبت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

عزیز گرامی قدر مولانا مفتی محمد جنید قاسمی نے حضرت مولانا کی سوانح پر کتاب لکھی ہے، میں اس کو پڑھ تو نہیں پایا؛ لیکن امید ہے کہ اہم شخصیات کی سوانح سے، بعد والوں کو صحیح راہ وفکر وحوصلہ ملتا ہے، اللہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس شجر طوبیٰ کو قائم ودائم رکھے، نظر بد سے بچائے، اور مفتی محمد جنید صاحب قاسمی کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمام قارئین کے لئے مفید اور نافع بنائے، آمین۔

محمد متین الحق اسامہ قاسمی
ناظم جامعہ محمودیہ اشرف العلوم
جامع مسجد اشرف آباد، جاجمؤ، کانپور
۷/ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ = ۹/اگست ۲۰۱۹ء

اولیاء اللہ کے احوال وکوائف مانند خضر راہ ہیں

حافظ محمد فرقان صاحب مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد

ہر قسم کی حمد وستائش اس خدائے رب ذوالمنن کے لیے سزاوار ہے کہ جس نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو وجود بخش کر کائنات کے تعارف کا درس دے کر مسجود ملائکہ بنادیا، اور درودوں، سلاموں کی بارش ہو اس ذاتِ عالی مقام اور بابرکت پر کہ جنہوں نے علم و حکمت کی شمعیں جلا کر کائنات کو منور کردیا۔

امابعد۔

صبحِ ازل سے نظام خداوندی رہا ہے کہ انسانوں کی رشد وہدایت کے خاطر، ہر دور اور ہر زمانہ میں علماء، صلحا، محدثین، مفسرین، مفکرین، اتقیاء، اصفیاء، بزرگانِ دین پیدا ہوتے رہے ہیں اور نہ جانے شامِ حشر تک افق کائنات پر کتنے علوم ومعارف کے درخشاں ستارے اور کتنے دانش وبینش، عبقریت ونافعیت کے چمکتے دمکتے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوں گے۔

دستِ قدرت نے والد محترم حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی، سابق مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم کو انہی اکابرین امت میں سے ایک بنایا تھا، جن کی شخصیت پر خود ان کے روشن نقوش شاہد ہیں، فہمیؔ صاحب سراپا جہد وعمل تھے، وہ ایک پیکرِ صبر واستقامت تھے، حالات نے ان کی مخالفت کی، مگر ان کی ہمت مردانہ اور توفیق الٰہی نے ہر مخالفت کو موافقت پر مجبور کردیا، ان کا خمیر علم وتحقیق سے اٹھا تھا، اور تا زندگی وہ اس میں تازگی اور پختگی پیدا کرتے رہے، علاوہ ازیں فہمیؔ صاحب کی پوری زندگی عظیم الشان خدمات سے عبارت تھی،

۵۴/سال کی عمر میں وہ عظیم کارہائے نمایاں انجام دئے، جنہیں رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکے گا، دین کی خدمت اور اصلاح امت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کردیا تھا، فہمیؔ صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ مدرسہ مفتاح العلوم کی تاسیس اور اس کا زمانۂ اہتمام و ریاست ہے، جو ۲۷/سال پر محیط رہا، اس دوران سیکڑوں سنگ ریزوں کو تراش کر ہیرا اور بیشمار ذروں کو آفتاب بنایا اور کتنوں کو انگلی پکڑ کر علم وفن کے راستوں پر چلنا سکھایا، جو آپ کی فیضان صحبت سے آج اپنے اپنے علاقوں میں میدان علم وفن کے ہیرو ہیں، اور اعلیٰ پیمانے پر دینی، ملی، سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں، جن کو لوگ بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، الحمد للہ آج بھی آپ ہی کے فیض سے، اس مادر علمی سے سیکڑوں تشنگانِ علم نبوت، اپنی علمی تشنگی کو بجھارہے ہیں، میں یہ شعر لکھنے پر مجبور ہوں کہ ع

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

فہمیؔ صاحب کی سیر و اخلاق کا پہلو لائق ذکر ہے، کہ انہوں نے مدت العمر، قدر کفاف پر گزر بسر کی اور قناعت و توکل کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا، مزید برآں حضرت فہمیؔ نے اکابر سے تعلق و نسبت کو کبھی عزت وشہرت، جاہ و منصب اور آسائش دنیوی کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔

ان اولیاء اللہ کے احوال وکوائف اور ان کی حیاتِ سرگزشت کی حفاظت و اشاعت بھی ایک مفید کار ہے، کیوں کہ ان کے پاکیزہ زندگی کے حالات و واقعات انسان کی ہدایت و تربیت اور اس کی اصلاح و سیرت سازی کا قیمتی سرمایہ ہیں، جن سے ہر دور میں ذوق و شوق کے ساتھ استفادہ کیا جاتا ہے؛ چنانچہ بزرگوں کے ملفوظات کی اہمیت کے سلسلے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ! بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی مجالس

کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔

یہ ایک بڑا مبارک اور نہایت دانشمندانہ تصنیفی اقدام تھا، ان ملفوظات ومجالس میں جو زندگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے، وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات اور عام تحریروں میں نہیں ملتی، ان سے جو راہ نمائی حاصل ہوتی ہے اس کی توقع بھی لگے بندھے طریقہ پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جا سکتی، حضرت جنید بغدادی کا قول "**الحکایات جند من جنود الله یثبت الله بھا قلوب اولیاءہ**" کہ یہ اللہ کے لشکر ہیں ان واقعات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دلوں کو مضبوط کرتا ہے اور جماتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ علماء کے قصے اور ان کے محاسن، مجھے فقہ سے بہت زیادہ محبوب ہیں، اس لیے کہ وہ ادب اور اخلاق سکھاتے ہیں۔ اور اس کی دلیل قران کریم کی یہ آیت ہے:

"**اولٰئک الذین ھد ی الله فبھدٰ یھم اقتدہ**" (سورۃ الانعام ۹۰).

ترجمہ: یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقے پر۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "**الحکایات تحف الجنة**" کہ حکایات وواقعات جنت کے تحفے ہیں، دوسرا قول ہے کہ: حکایات زیادہ سے زیادہ بیان کرو کیوں کہ یہ موتی ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی نادر موتی ہاتھ آجائے۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے: "**عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة**" صلحاء اور نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت برستی ہے۔

بہر حال بزرگوں کے حالات وملفوظات، قصص وحکایات، اصلاح وتربیت اور تزکیہ نفوس کا مؤثر ذریعہ ہیں، جن کے ذریعہ عبرت ہوتی ہے اور قلوب متأثر ہوتے ہیں، نیز حضور اکرم ﷺ نے بھی گزشتہ قوموں کے واقعات بیان فرمائے ہیں اور قرن اولیٰ سے لے کے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ ہر زمانے کے اخلاف اپنے اسلاف کے علمی و

اصلاحی اور تربیتی سرمایہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی حفاظت کر کے آنے والی نسلوں تک اس کو پہنچانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ بزرگوں کے حالات، ملفوظات، مخطوطات، مواعظ، قصص وحکایات کے موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں، جس سے لوگ منتفع ہو رہے ہیں، زیر نظر کتاب ''سوانح علی حسن'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو فہمی صاحب کے سوانح حیات، ملفوظات، اصلاحی مکتوبات اور گراں قدر علمی تحریروں پر مشتمل ہے، جس کا پہلا ایڈیشن افادۂ عام کے خاطر (مولانا علی حسنؒ اکیڈمی، محلّہ انصار میدان گنج مرادآباد) شائع کرنے جا رہی ہے۔

میں مرتبِ کتاب عزیز القدر مفتی محمد جنید قاسمی سلمہ معلم مدرسہ مفتاح العلوم کو اس عظیم اشاعت پر بصمیم قلب مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ عز اسمہ مرتب سلمہٗ کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے اور اس مؤقر اصلاحی اشاعت کو حسن قبولیت سے سرفراز فرما کر ناظرین کے واسطے نفع بخشش بنائے اور فہمیؔ صاحب کے پاکیزہ علمی، روحانی اور دینی افکار وآثار کو امتِ مسلمہ کے اندر نسلاً بعد نسلٍ منتقل فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

احقر محمد فرقان
خادم مدرسہ مفتاح العلوم، گنج مرادآباد
۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ
مطابق ۱۷ر فروری ۲۰۱۹ بروز دوشنبہ

مولانا علی حسنؒ: یادیں اور باتیں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مظاہری کھیوری رحمۃ اللہ علیہ

آں عزیز قصبہ غوث گنج ضلع ہردوئی کے باشندے ہیں، راقم الحروف ۱۹۶۳ء کے لگ بھگ، قصبہ مذکور کے ایک مکتب میں پڑھانے کا کام کرتا تھا، بستی کے لوگ بڑے خلیق، سادی زندگی رکھنے والے، نیز بڑے مہمان نواز ہیں، بستی کے بعض خصوصی لوگوں سے بڑے خصوصی تعلقات رہے، بالخصوص مولانا علی حسن صاحب کے والد اور بھائی بے حد کرم فرمائی کا معاملہ کرتے رہے، رات میں مولانا موصوف ہی کے دولت کدہ پر قیام رہتا، مولانا موصوف سلمہ میرے پاس ناظرہ اردو وغیرہ پڑھتے رہے، گھر کے سبھی لوگ نیازمندی کا معاملہ فرماتے، آں عزیز سلمہ سے بے حد محبت قائم رہی، میرے دل کا تقاضہ یہ ہوا کہ عموماً دیہات کے لوگ ناظرہ قرآن اور کچھ اردو وغیرہ پڑھ کر اسی کو مَبْلَغِ علم سمجھ لیتے ہیں، کاش کہ؛ یہ ہونہار لڑکا کسی دار العلوم سے وابستہ ہو کر دین کی مکمل تعلیم حاصل کرتا، اور اپنی برادری میں راہبر کی حیثیت اختیار کر کے برادری کی اصلاح اور دینی تعلیم و تبلیغ میں حصہ لیتا، یہ میرے دل کا داعیہ تھا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ: میں نے ان کے گھر میں جبکہ گھر کے سبھی ذمہ دار موجود تھے، میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا، گھر والے اپنی معاشیات کی کمزوری کا عذر کرتے ہوئے نیم رضامندی کا اظہار کیا، اس سلسلے میں راقم الحروف نے ان کے بھائیوں سے رضا حاصل کر لی، دار العلوم ندوۃ العلماء سے کمترین نے خط و کتاب کی مدرسہ سے ایک فارم آ گیا، جس کو عاجز ہی نے خانہ پوری کر کے مدرسہ بھیج دیا، غرضیکہ مدرسہ سے منظوری آ گئی، راقم

الحروف آں عزیز سلمہ کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ کے لیے لے گیا، تمام مدرسہ میں کوشش کی گئی کہ تمام اخراجات مدرسہ ہی برداشت کرے، اس کوشش میں کامیابی ہوگئی، آں عزیز سلمہ کا درجہ حفظ میں داخلہ ہوا، چونکہ عزیز مذکور سلمہ میں خدمت گذاری کا اعلیٰ جوہر موجود تھا، ہونہار طبیعت نے بہت جلد استادوں کے دلوں پر محبت کا سکہ جمایا، ماشاء اللہ اس وقت ایک استاذ حافظ محمد اقبال کے منظورِ نظر ہوگئے، پھر تو کہنا ہی کیا بہت جلد مکمل [حفظ قرآن] کرکے عربی و فارسی شروع کردی، اور مشقت سے پڑھتے پڑھتے اور استاذوں کی خدمت کرکے مقبولیت حاصل کی، پھر تو اساتذہ نے انہیں آگے بڑھایا، قصبہ رسولی ضلع بارہ بنکی میں داخلہ لیا، وہاں کے بزرگوں سے عربی علوم اور اخلاقی خوبیاں حاصل کرکے مدرسہ دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، ادھر ان عزیز سلمہ کا آخری تعلیمی سال تھا، ادھر ان کے وطن میں گھر اور بستی والوں سے مختلف نزاعی شکلیں پیدا ہوئیں کچھ فوجداریاں اور جھگڑے بھی پیش آئے، جن سے سرکاری عدالتوں کا بھی منھ دیکھنا پڑا، گھر خاندان کے دشمن نے معاشی حالات کمزور کردیئے جس کی وجہ سے وطن کو خیرآباد کرنا پڑا۔

گنج مرادآباد میں مولانا موصوف کا ننہال ہے، نیز دیگر اعزہ بھی رہتے تھے، ننہال اور اعزہ کی خواہش پر وطن عزیز سے گنج مرادآباد ہجرت کرنا پڑا، وطن کا مکان بیچ کر مرادآباد میں مکان خرید کر مستقل سکونت اختیار کرلی، عزیز مذکور سلمہ جب دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوکر آئے تو اپنی اسی جگہ جہاں پر والد اور بھائیوں نے ہجرت کرکے مقیم ہوئے تھے، وہیں پر آپ نے مستقل قیام کا ارادہ کرکے ایک اچھے مدرسے کی بنیاد ڈالی، کام میں خلوص تھا، مقامی احباب اور اعزہ نے پورا ساتھ دیا، مدرسہ کو ترقی دی، وہ آج مدرسہ مفتاح العلوم، مدرسہ ہے، مدرسہ کی عمارت بھی شاندار ہے نیز اس کی جائیداد بھی ہے، مولانا کی محنت اور خلوص نے مدرسہ کو اچھی ترقی فراہم کی بستی حضرت مولانا فضل رحمان صاحب کا مسکن رہا ہے، مولانا کے بعد بستی کی حالت دینی اور معاشی اعتبار سے نہایت ناگفتہ بہ تھی، ایک صدی

کے بعد مولانا علی حسن صاحب کی پرخلوص محنت نے بستی میں نشأۃ ثانیہ بخشی، مولانا موصوف کو گنج مرادآباد، ملاواں، قاضی پور، بانگرمئو، حیدرآباد وغیرہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہے، راقم الحروف کو ان عزیز سلمہ سے بے حد محبت بھی ہے اور ان کے کام کو مستحق اور اچھا سمجھتے ہوئے مبارکباد پیش کرتے ہیں، مدرسہ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت کچھ ترقی کر چکا ہے، اردو ہندی، ناظرہ، نیز دیگر عصری علوم کے ساتھ ساتھ درجہ حفظ سے بہت کچھ ترقی کی ہے، ہر سال مدرسہ مذکور سے دو چار حافظ بن کر اپنے اپنے وطن میں تعلیمی خدمات انجام دیتے ہیں، جوار اور علاقہ والوں کی خواہش پر مدرسہ میں تراویح فی سبیل اللہ سنوانے کا انتظام کرتا ہے، نیز مدرسہ کی طرف سے سال دو سال میں سیرت کے جلسے بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں، جس میں علماء ربانی اور مشائخ یزدانی کو طلب کیا جاتا ہے، جس میں یہ تمام اہل دل علماء عوام اور خواص کو خصوصی خطاب بھی فرماتے ہیں، اور یہ سبھی علمائے حقانی تمام عوام اور خواص کو انابت الی اللہ کی ترغیب دیتے ہیں، بہر حال مولانا علی حسن صاحب سلمہ کی ذات ستودہ سے پوری امید ہے کہ موصوف اپنی جہد مسلسل سے بہت جلد بستی اور اطراف بستی کو دین اور اصلاح تبلیغ سے روشناس کرائیں گے، اور تمام عوام و خواص کو مستفید فرماتے رہیں گے، دیرینہ تعلقات اور آں عزیز کی پرخلوص محنت کی وجہ سے راقم الحروف اکثر مدرسہ میں حاضری دیا کرتا ہے، اور مدرسہ میں کوئی بھی ایسی چھوٹی بڑی مجلس نہیں ہوتی، جس میں مولانا علی حسن صاحب نے اس عاجز کو شرکت کی دعوت نہ دی ہو، بلکہ مدرسہ کے جلسوں میں بھی ہمیشہ راقم الحروف کو صدارت کی حیثیت حاصل رہی۔ (یاد احباب رفتگاں (قلمی) غیر مطبوعہ، مؤلفہ: مولانا محمد یوسف صاحب مظاہریؒ کھیورئی، مملوکہ: مرتب)

محمد یوسف خاں مظاہری عفی عنہ
ساکن کھیورئی، ضلع اناؤ

حرف تحسین

حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی زید فضلہ، استاذ تفسیر وادب دار العلوم دیوبند

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم اما بعد!

قصبہ گنج مرادآباد ضلع اناؤ (یوپی) اودھ کا ایک مشہور ومعروف قصبہ ہے، اس کی شہرت کی وجہ یہ ہے؛ کہ اسے مشہور صاحب نسبت وبلند پایہ بزرگ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے مسکن اور مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، حضرتؒ نے اسی قصبہ میں بیٹھ کر ہزارہا مریضانِ باطن کو دوائے دل دی ہے، اور بے شمار لوگوں کا روحانی علاج کیا ہے، اور اس پورے خطے کو اپنے علمی اور روحانی فیض سے فیضیاب کیا ہے۔

آپ کے وصال کے بعد یہاں بدعات وخرافات کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور صورتِ حال یکسر تبدیل ہوگئی، ایک وقت تھا کہ یہاں حضرت گنج مرادآبادیؒ جیسی شخصیت تھی لیکن آپ کے بعد سنت کے بجائے بدعات وخرافات کا دور دورہ ہوگیا، اس صورت حال کو دیکھ کر دردمندانِ ملت نے اس قصبہ میں مفتاح العلوم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جو علاقہ کی دینی اور تعلیمی ضرورت کو پورا کرے، اور لوگوں کی صحیح دینی رہنمائی کا کام انجام دے، الحمدللہ یہ ادارہ علاقے میں علماء حق کا مرکز اور صحیح دینی رہنمائی کے لیے مینارۂ نور ہے، اور اپنے قیام کے وقت سے ہی بیش بہا دینی وتعلیمی وملی خدمات انجام دے رہا ہے، اسی ادارہ سے وابستہ ایک بہت ممتاز اور نمایاں نام حضرت مولانا علی حسن فہمی قاسمی گنج مرادآبادیؒ کا ہے، جو اس ادارے کے ۲۷؍ سال تک مہتمم رہے ہیں، جنہوں نے اس ادارے کے اسٹیج سے اپنی تدریسی وتعلیمی خدمات، وعظ وتقریر اور اصلاحی جد وجہد کے ذریعے اس پورے علاقے کو سیراب کیا ہے۔

ہم دست کتاب ''سوانح حضرت مولانا علی حسن صاحب گنج مرادآبادیؒ'' مولانا موصوف کے انہی کارہائے جلیلہ کا ایک مرقع ہے جس میں فاضل مرتب جناب مولانا محمد جنید صاحب قاسمی نے حضرت مولانا کے سوانح وحالات، تدریسی وانتظامی خدمات، دعوتی و اصلاحی جدوجہد، وعظ ونصائح، مکاتب اور گرانقدر تحریریں وغیرہ سبھی چیزوں کو یکجا کردیا ہے، جو آنے والی نسلوں کے لیے ایک دستاویز ہوگی۔

جناب مولانا جنید قاسمی قابل مبارکباد ہیں کہ موصوف نے اپنے محسن ومربی اور مشفق استاذ کا تذکرہ مرتب کر کے ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنائے، آمین

محمد ساجد قاسمی ہردوئی
استاذ تفسیر وادب دارالعلوم دیوبند
۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

مخلص کا سفینہ

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب ندوی زید علمہ
استاذ ادب عربی معہد سیدنا ابی بکر الصدیق، مہپت مئو، لکھنؤ

دین کے کاموں میں اخلاص، نیک نیتی اور اللہ کی رضا جوئی، عند اللہ شرط قبولیت بھی ہے، آخرت میں باعث اجر وثواب بھی ہے، اور دنیا میں موجب خیر و برکت بھی، ہمارے اسلاف کرام کی زندگیاں اس کی واضح مثال ہیں، انھوں نے آج سے پیشتر جبکہ آج کی طرح سہولتیں اور وسائل و ذرائع نہیں تھے، بسا اوقات تن تنہا علم دین کے فروغ اور نشر و اشاعت کا کام اخلاص، نیک نیتی اور اللہ کی رضا جوئی کے مقصد سے شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شروع کیے ہوئے کام کو ایسی مقبولیت اور اس میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ تن تنہا فرد واحد نے اللہ کی توفیق سے اتنے عظیم کام انجام دیئے جو آج کل ایک انجمن، ایک کمیٹی اور ایک اکیڈمی بھی انجام نہیں دے پاتی، مزید یہ کہ ان کے صدق وخلوص اور للّٰہیت کی تاثیر ان کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی ماند نہیں پڑتی، بلکہ ایک شجر سایہ دار کی طرح ان کا خلوص برگ و بار لاتا رہتا ہے۔

اخلاصِ عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس آنکھ کا آنسو ہیرا ہے، اس لب کا تبسم موتی ہے

یہ ہمارے مذہب اسلام کی حقانیت کی دلیل بھی ہے اور اس کی حفاظت کا امتداد و تسلسل بھی، اس پہلو سے بھی اسلاف کرام کے سوانح حیات اور تذکروں کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس کے برعکس دینی کاموں میں جب اخلاص، نیکی نیتی اور اللہ کی رضا جوئی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ دل کے کسی نہاں خانہ میں ریا کاری، حب جاہ اور شہرت طلبی چھپی ہوتی ہے تو اس کام کی اٹھان خواہ کتنی ہی بلند و تیز ہو، صدق و خلوص نہ ہونے کے باعث وہ کام ٹھپ پڑ جاتا ہے، اور عند اللہ قبولیت سے بھی محرومی رہتی ہے۔

عم مرحوم و مغفور حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی کے سوانح و حالات زندگی جن لوگوں کے علم میں ہیں وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کی زندگی علم دین کے کاموں میں اخلاص، نیک نیتی، اللہ کی رضا جوئی اور سعی پیہم اور دینی و ایمانی غیرت سے عبارت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ اویس زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی سرزمین پر جہاں دور اخیر میں دین کے نام پر بدعات و خرافات نے ڈیرے جما رکھے تھے، مدرسہ مفتاح العلوم کے نام سے خالص علم دین کا ایک چراغ جلایا، اور اس کے توسط سے نئی نسل کو ابتدائی اسلامی تعلیمات اور حفظ قرآن کے زیور سے آراستہ کیا، اور عوام الناس کے درمیان شرک و بدعت کی مذمت و قباحت اجاگر کی، اور دین سے محبت پیدا کی، حالانکہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ حفظ میں اپنے استاذ الاساتذہ مرحوم حافظ حشمت اللہؒ کی زیر نگرانی چند دن حفظ قرآن کی تدریس کا فریضہ انجام دیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعہ ایک عظیم کام لینا تھا، ان کے ذریعہ ایک بنجر زمین کو علوم دین کے انوار سے منور کرنا مقصود تھا۔

حضرت مولانا علی حسن قاسمیؒ مدرسہ مفتاح العلوم میں تقریباً ۲۷ سال خدمات انجام دے کر اس دارِ فانی سے مؤرخہ ۱۹؍ جون ۲۰۰۳ء کو دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے، لیکن اپنے پیچھے مدرسہ مفتاح العلوم کی شکل میں علم دین کا شجر سایہ دار چھوڑ کر گئے جس کو انہوں نے اپنے خون جگر سے سیراب کیا تھا، ایک چراغ روشن کر گئے جس کی روشنی میں آج بھی ان کے

اخلاص کی خنکی اور سعی وعمل کی تابانی شامل ہے، اور ایک فیض رساں سرچشمہ علم دین چھوڑ کر گئے، جس کی دریافت کے لیے ان کو حضرات اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی سنت پر عمل کرنا پڑا، آج بھی مسافران علم دین اس شجر سایہ دار اور ثمر آور سے مستفید ہو رہے ہیں، اس چراغ علم دین پر علوم دین کے پروانے ہجوم کر رہے ہیں، اور اس سرچشمہ علم دین سے تشنگان علم دین سیراب ہو رہے ہیں۔

ع: بس ساقی کوثر کے صدقے آباد رہے یہ میخانہ

یہ ان کی پیہم سعی وعمل اور سب سے بڑھ کر ان کے اخلاص اور نیک نیتی کا فیض ہے جو بتوفیق الٰہی ان کو حاصل تھا۔

یہ کمال زندگی ہے کہ جب آفتاب ڈوبے ☆ تو فلک کو نور دے کر نئی انجمن سجادے

میں اپنی بات کو اب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بصیرت افروز شہ پارہ پر ختم کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں:

مخلص کی محنت اکثر ضائع نہیں ہوتی، مخلص کا سفینہ بارہا گرداب میں پڑنے کے باوجود کہ ساحل کے تماشائی ہر لمحہ ڈرتے ہیں کہ اب ڈوبا اب ڈوبا کنارہ لگ جاتا ہے اور غیر مخلص کا سفینہ ساحل پر پہنچتے پہنچتے بھی ڈوب جاتا ہے، بارہا دیکھا کہ ایک شخص کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہے، اور پورا عہد اس کا کلمہ پڑھتا ہے پھر اس کی زندگی ہی میں یا اس کی زندگی کے بعد اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور اچانک اس کی شہرت وقبولیت کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

اس کے مقابل ایک شخص گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر کام کرتا ہے، اور اس کی زندگی تک اس کے کام کا کوئی تعارف نہیں ہوتا، اچانک ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں کہ اس کے بہائے ہوئے پسینہ کا ایک ایک قطرہ اس کے لیے آب حیات بن جاتا ہے اور اس کے نقوش قلم کی

حفاظت واشاعت کے لیے قدرت کی طرف سے ایسے سامان ہوتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔(کاروانِ زندگی حصہ دوم ص:۳۰ر تا ۳۱)

ان کے سوانح وحالات زندگی سے متعلق ان کے ایک شاگرد رشید مولوی محمد جنید قاسمی سلمہ نے ایک تذکرہ ترتیب دیا ہے ہے جو درحقیقت ان کی طرف سے اپنے استاذ مرحوم کوخراج عقیدت بھی ہے اورلوگوں کے لیے ایک دستاویز وسوغات بھی کہ کس طرح سے اخلاص اورسعی پیہم کی بدولت علم دین کے کاموں کوزندگی وتابندگی اوراس کے کرنے والوں کونیک نامی ملتی ہے،مولوی محمد جنید قاسمی سلمہ کی یہ کاوش قابل قدر ہے۔

نسیم احمد ندوی

استاذ معہد سیدنا ابی بکر الصدیق

لندوۃ العلماء مہپت مئو لکھنو

نقوش وتأثرات

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب ندوی زید علمہ
استاذ ادب عربی معہد سیدنا ابی بکر الصدیق، مہپت مئو لکھنؤ

عم مرحوم ومغفور مولانا علی حسن صاحب کا علمی ودینی خانوادوں کی طرح کوئی خاص خاندانی پس منظر نہیں تھا، جس کے نتیجے میں وہ دعوت واصلاح کے مقامی اسٹیج پر نمودار ہوئے ہوں، وہ ایک معمولی گھرانے (بستی غوث گنج ضلع ہردوئی) میں پیدا ہوئے، جہاں دو چار حفاظ قرآن کریم کے سوا اس وقت کوئی عالم دین نہ تھا، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے گھرانہ دین پسند تھا، اور دل کی زمین میں قدرے نمی تھی، چنانچہ عم مرحوم کی ولادت سے کچھ عرصہ قبل ایک فرشتہ صفت نو وارد مولوی صاحب کی مساعی کے نتیجے میں تعزیہ داری اور دیگر رسموں کو ان کا گھرانہ چھوڑ ہی نہیں توڑ چکا تھا، پھر قدرت الٰہی کا کرشمہ یہ ہوا کہ ان کی بسم اللہ ایک مخلص استاذ مولانا محمد یوسف صاحب مظاہری کھیورئی ''نور اللہ مرقدہ' کے ہاتھوں ہوئی، جنھوں نے ان کی بڑے اخلاص و دردمندی کے ساتھ تعلیم وتربیت کی، یہی وہ اخلاص کا تخم تھا جو آگے چل کر والدین کی دعاؤں اور مدرسہ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کی آبیاری کے نتیجے میں ایک تناور اور ثمر آور درخت بنا، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔

چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبہ حفظ میں اپنے استاذ محترم حافظ حشمت اللہ صاحب کی زیر نگرانی ایک ہفتہ تک پڑھایا، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، وطن میں آپسی

تنازعات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے وطن کو خیر باد کہنا پڑا، اور والدین کے ساتھ اپنے نانیہال گنج مرادآباد منتقل ہو گئے، گویا خاندان کے ایک درویش صفت طاہر میاں کی اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی سے نسبت و ارادت کی غیر مرئی کشش تھی جو گنج مرادآباد لے گئی، وہاں آپ نے اہل بستی کے تعاون سے ایک دینی مدرسہ ''مدرسہ مفتاح العلوم'' کے نام سے قائم کیا اور اس میں حفظ قرآن کی معیاری تعلیم کا آغاز کیا، ۲۷؍سال کی مدت میں اس مدرسہ کے توسط سے قرب وجوار میں بڑا اہم دینی واصلاحی کام انجام دیا۔

تقریباً ۷۰؍حفاظ قرآن کو تیار کیا اور بدعات ورسومات کی بیخ کنی اور توحید وسنت کی ترویج واشاعت کا اہم فریضہ انجام دیا، اس طرح سے مولانا فضل رحمان کے سلسلے کی ذیلی اصلاحی کڑیوں میں شامل ہو گئے، عم مرحوم ومغفور کی ۲۷؍سالہ دعوتی و اصلاحی اور تدریسی زندگی درحقیقت عمل صالح، سعی پیہم، توحید وسنت کی اشاعت، بدعات ورسومات کی بیخ کنی اور بلا کسی خوفِ سلامت کے حق بات کے اظہار سے عبارت تھی، اخلاص، نام ونمود سے دوری اور وقت کی پابندی نے ''فالمقبور أحیا منه'' کا مصداق بنا دیا ہے۔

عم مرحوم ومغفور ایک اچھے حافظ قرآن ہونے کے ساتھ پختہ عالم دین بھی تھے، حفظ قرآن کی تدریس کا عمدہ تجربہ تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور نعمانی رحمہما اللہ سے بڑی عقیدت تھی، ان کی تصنیفات وتالیفات زیر مطالعہ رہتی تھیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بعض ملفوظات تو نوکِ زبان تھے، نجی مجلسوں میں انہیں تینوں بزرگوں کے ملفوظات سے اپنی بات کو مؤثر بناتے، وہ کوئی بڑے مقرر وخطیب تو نہ تھے، لیکن جب تقریر کرتے تو ''از دل خیزد بردل ریزد'' کا مصداق ہوتی، یہ سب ان کی اخلاص و دردمندی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ان کے مواعظ وخطبات کا یہ اثر ہے کہ جو بھی ان سے وابستہ ہوا، بدعات سے نفور وبیزار اور توحید وسنت کا حامی ہوا، ان کی عمر ۵۵؍ سے متجاوز ہوئی تھی کہ

تھکے ہارے مسافر کی راحت کا وقت آن پہنچا، زبان میں گلٹی پیدا ہوئی، علاج ومعالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن تدبیر پر تقدیر غالب آئی اور جو شخص اکثر وبیشتر "ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر" کو اپنی تقریر کا موضوع بناتا تھا دہلی، اناؤ کے درمیان اناوہ میں حالت سفر میں جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ☆ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور اپنی والدہ مرحومہ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے: ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اللہ تعالیٰ نے ان کو تعمیری واصلاحی شاعری کا ملکہ عطا فرمایا تھا، جس سے وقتاً فوقتاً کام لیتے رہتے تھے، مجموعہ (شمع فروزاں) درحقیقت ان کی دعوتی واصلاحی زندگی کا ترجمان ہے۔

محمد نسیم ندوی

استاذ معہد سیدنا ابی بکر الصدیق

لندوۃ العلماء مہپت مئو لکھنو

والدمرحوم-حالات واوصاف

مولانا محمد سفیان صاحب مظاہری صاحبزادہ خادم القرآن مولانا علی حسن صاحب قاسمی

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو ☆ گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

سنگلاخ زمینوں، غیر ذی زرع وادیوں، اور سمندروں کی تہہ سے معدنیات اور ہیرے وجواہرات کی بیش بہا اور انمول نعمتوں کو عطا کرنے والی ذات باری تعالیٰ کبھی نہایت بے کس و بے بس اور مفلسوں نادار گھرانوں میں ایسے افراد پیدا فرمادیتی ہے، جو نہ صرف اپنے خاندان اور علاقے کو زینت بخشتے ہیں، بل کہ ملک وملت کے لیے اپنے مبارک اشغال وافکار اور اعمال کے ایسے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ جاتے ہیں، جو پس ماندگان کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔

والد محترم حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمیؒ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھے، آپ نہایت منتظم مزاج، باوقار، حلیم وبردبار، معاملہ فہم، موقع شناس اور نفاست پسند عالم دین تھے۔ اخلاص وللہیت کے پیکر، علم وعمل کے گنگ وجمن تھے۔ مطالعہ کے بڑے شوقین اور کتابوں کے رسیا تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو قابل رشک اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا۔ مولانا مرحوم کی پوری زندگی تواضع، گمنامی، سادگی، قناعت پسندی، دولت وثروت سے بے نیازی، کام کی دھن، دین کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ، ملت کے لیے فکر مندی اور امت کے لیے، آہ سحر گاہی سے عبارت تھی۔ ہمیشہ اپنے آپ کو شہرت کے راستوں سے الگ رکھا، حالاں کہ علمی، دینی اور تعلیمی لحاظ سے آپ کا ایک خاص مقام تھا، لیکن آپ شہرت کی جگہوں سے بچتے رہے، پھر بھی جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا من جانب اللہ

شہرت ومقبولیت بڑھتی گئی۔آپ کوشعروشاعری کا بہترین ملکہ حاصل تھا، ہمیشہ مثبت شاعری پسند فرماتے اپنے اسلاف اوراکابرین کے نغمے گنگناتے بالخصوص حمدیہ اورنعتیہ کلام زبان زدرہتے۔فضول گوئی اورکلام لایعنی سے گریز کرتے تھے،اسی وجہ سے شعروشاعری سے ذوق رکھنے والوں نے آپ کی شاعری کواچھی داددی اورقدر کی نگاہوں سے دیکھا۔

آپ میدان خطابت کے کوئی بہت بڑے شہ سوار تونہیں تھے،لیکن جب خطاب فرماتے تواپنی زبان سے نکلنے والے پھولوں کے مانند جملوں سے سارے ماحول کومعطراور زعفران زار بنادیتے اورخطبات بڑے ہی دل نشیں اورمعلومات سے پر ہوتے۔

مولانامرحوم ہردوئی کے ایک گاؤں ''غوث گنج'' کے باشندے تھے،مشیت ِایزدی کچھ اورہی تھی حالات کے تھپیڑوں اورمصائب وآلام کی گردشوں نے اپنے جدی وطن کو خیرباد کہنے پرمجبور کردیا، بالآخراپنے وطن عزیز کوالوداع کہہ کراپنے ننہال قصبہ گنج مرادآباد آکرسکونت پزیر ہوگئے۔اس وقت گنج مرادآباد بدعات وخرافات کا گہوارہ بناہواتھا،تعزیہ داری ونوحہ خوانی عام تھی،لوگ سنت کی آڑ میں بدعات کوفروغ دے رہے تھے،وہ علماء حق سے دور اورعلماء سوء سے قریب ہوچکے تھے،ان کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا گویاان کے سینہ پروزنی پتھر رکھنے کے مماثل تھا، ایسی سنگین صورتِ حال میں حضرت مولانا نے مرکز علم وفن مدرسہ مفتاح العلوم کی بنیاد ڈالی جس کے ذریعہ سے ''لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃحسنۃ''کاپیغام دیااورلوگوں کوترغیب دیتے ہوئےفرمایاکہ ؎

سنت مصطفیٰ کو مٹاؤ نہیں	تم کلیجے سے بدعت لگاؤ نہیں
اتباع نبیؐ مقصد زیست ہے	اس حقیقت کو ہرگز بھلاؤ نہیں
اسوۂ مصطفیٰ بس ہے معیارحق	کید شیطان میں کبھی تم آؤ نہیں

آپ کا زمانۂ اہتمام

آپ کی زندگی کا سب سے تابناک دور مفتاح العلوم ہی کا زمانۂ اہتمام وریاست ہے جو تقریباً ۲۷ رسال کو محیط رہا اس اثنا میں سیکڑوں طلبہ اس ادارے سے فارغ ہوکر اپنے اپنے علاقوں میں نمایاں دینی خدمات انجام دینے لگے اور اس ادارہ کو بے مثال عروج نصیب ہوا اور اس کی بہترین تعلیم وتربیت کا شہرہ دور دور تک ہوگیا، اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ:

بہار جواب ادارہ میں آئی ہوئی ہے ☆ یہ سب پودان کی لگائی ہوئی ہے

مولانا کیا چاہتے تھے؟

مولانا مرحوم کی دلی خواہش اور تمنا تھی اس مرکز علمی سے ایسے ماہر علوم وفنون تیار ہوں کہ جب وہ مدرسہ کی چہار دیواری میں ہوں تو مسند تدریس پر رونق افروز ہوکر تشنگان علوم دینیہ کی پیاس بجھائیں اور اپنی فنی صلاحیتوں سے مشکل اور پیچیدہ مضامین کی گرہ کشائی کرسکیں، تو دوسرے وقت میں جب وہ ناخواندہ اور عامۃ الناس کے جھرمٹ میں ہوں تو منبر ومحراب کی زینت بن کر عام لوگوں تک دین کی بات پہنچا کر ان کے جذبۂ عمل کی چنگاری کو شعلہ زن کرسکیں اور جب وہ میدان کارزار میں ہوں تو باطل کے سامنے دودھاری تلوار بن کر سپر پاور کو شکست دے کر باطل پرستوں کے ناپاک عزائم کے پرخچے اڑا سکیں، پھر یہی ماہر علوم وفنون جب خلوت کدہ میں بیٹھیں تو ان کے اشہب قلم سے ایسے شگفتہ ودل آویز مضامین اور گراں قدر تحقیقی تصانیف منصۂ شہود پر آئیں جس میں لوگوں کی ہدایت کا سامان ہو، اور دین متین کی صحیح تعبیر وتشریح کا فریضہ انجام دیا گیا ہو اور ان کی خدمات کا دائرہ صرف مخصوص شہر اور خاص قریہ تک ہی محدود نہ ہو، بل کہ جس طرح شمیم گل باغ سے

نکل کر عطر فشاں بن جاتی ہے اور آفتاب کی روشنی پھیل کر تیز ہو جاتی ہے، اسی طرح ان کی دینی، ملی وسماجی خدمات کی تگ وتاز مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک پھیلے اور ان کی خداداد صلاحیتوں سے ہر قریب وبعید مستفید وفیض یاب ہو۔

بفضلہٖ تعالیٰ مولانا مرحوم کی یہ تمنائیں پوری ہو رہی ہیں، جیسا کہ مولانا نے ترانۂ مفتاح العلوم میں نظم کیا ہے:

ہم پڑھ کے علومِ دین یہاں، ممتازِ زماں بن جائیں گے
تبلیغ میں پھر باطل کے لیے، ہم حق کی زباں بن جائیں گے
معمور کریں گے عالم کو، ہم علم کے رنگ ونکہت سے
تاریک فضا کو تابندہ، کر دیں گے ضیائے حکمت سے
ایمان کی زد سے توڑیں گے، ہم کفر کے سب ایوانوں کو
بازوئے یقیں سے روکیں گے، الحاد کے ہم طوفانوں کو
یہ گلشن دین اسلامی، سرسبز رہے شاداب رہے
فیضی سے خدایا گلشن کا، ہر ایک شجر سیراب رہے

زمانے کے حوادث سے نہ گھبرا

مولانا مرحوم نے اپنے اس لگائے ہوئے گلشن کو بڑی جاں فشانی، عرق ریزی اور خونِ جگر سے سینچا، جس کے تحفظ اور بقاء کے خاطر نیندوں کو قربان کرنا پڑا، جوانی کی طاقت وقوت کو لگانا پڑا، نہ جانے کن کن دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑا، لیکن سب کو خوش خیالی سے برداشت کرتے رہے اور قدرت کے فیصلوں پر لبیک کہتے رہے، یہاں تک کہ جب امیدوں کے باغ کے لہلہانے کا وقت آیا تو زمانہ نے کروٹ لی اور گردش ایام کی برق رفتاری

نے عمر کو ۵۳ رسال تک پہنچادیا، تو اس کے اندر امراض نے پیچھا کرلیا گرم وسرد ہواؤں نے بھی ستایا، گرمیوں کی دھوپ کی تپش اور سردیوں کی شدید ٹھنڈک نے بھی پریشان کیا، لوؤں کے تھپیڑوں نے بھی رُلایا "لقد خلقنا الانسان فی کبد" کے تحت طرح طرح کی پریشانیوں نے بھی گھیرا "لیکن زبان پر ہمیشہ صبر وشکر کے کلمات جاری رہے" بالآخر زبان میں گلٹھی پیدا ہوگئی علاج معالجہ برابر کراتے رہے، پھر یہ گلٹھی، کینسر کے موذی مرض میں تبدیل ہوگئی، علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بہر عنوان تدبیر پر نوشتۂ تقدیر غالب رہی، وقت موعود آپہنچا اور اپنے روشن نقوش چھوڑ کر ۵۴ رسال کی عمر میں اپنا نوشتۂ عاقبت لیے ہوئے ہمیشہ کے لیے اس دار فانی سے عالم جاودانی کے سفر پر یہ کہہ کر روانہ ہوگئے، کہ:

عالم فانی سے جب رحلت کی مل جائے خبر تم میری تربت پہ آجانا ملے موقع اگر
پڑھ کے بسم اللہ مٹی ڈال دینا قبر پر پڑھ کے قرآں بخش دینا اے میرے نور نظر

آپ کے لخت جگر

آپ کے فرزند رشید حافظ محمد فرقان صاحب مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی گئی، بعد ازاں مدرسہ کے صدر گیٹ کے مغربی جانب والدین محترمین کے پہلو میں نم ناک آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ بارِ الٰہ حضرت مولانا کے درجات میں بے حد بلندی نصیب فرمائے، اور ان کے چھوڑے ہوئے انمٹ نقوش کو تا قیامت قائم رکھے، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو ☆ گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

اخیر میں داد و تحسین پیش کرتے ہیں، محبّ مخلص مفتی محمد جنید صاحب قاسمی کو جنھوں

نے اس کتاب (بنام ''سوانح علی حسن'') کو بڑی خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے، یہ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں اللہ نے قلم کی بے پناہ قوت سے نوازا ہے، ایک باکمال عالم ہونے کی علاوہ، فن خطابت کے اسرار ورموز سے انہیں خوب واقفیت ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو اخلاص کے ساتھ ہر لمحہ دین کی خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اور انکے علم وفن میں مزید بلندی اور پختگی پیدا فرمائے۔ آمین

احقر الوری محمد سفیان
بن مولانا علی حسنؒ قاسمی فہمی
متعلم جامعہ مظاہر علوم دار جدید سہارن پور

مولانا علی حسنؒ- ایک عظیم شخصیت

حضرت مولانا ناصر الدین صاحب مظاہری زید علمہ
(استاذ ادب وعربی مظاہر علوم وقف سہارنپور (یوپی))

الحمد لله الحنان المنان، على ما علمنا من البيان والهمنا من التبيان والصلاة والسلام الاتمان الاكملان على سيدنا محمد سيد ولد عدنان، وعلى آله و صحبه ما لمع القمران في البوادي والعمران. وبعد!

اودھ کے ضلع اناؤ کی مردم خیز ومردم ساز سرزمین گنج مرادآباد کسی تعریف اور تعارف کی محتاج نہیں ہے، حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی ذات والا صفات سے یہ اسم با مسمّٰی بن گیا، ڈیڑھ صدی قبل گنج مرادآباد کی خانقاہ طالبین وسالکین کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، جہاں حق آگاہ شخصیات اور حق کیش وحق کوش ہستیاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں، جہاں قال سے زیادہ حال کی اور واہ سے زیادہ آہ کی گہما گہمی تھی، جہاں پتہ پتہ بقعۂ نور اور منبع سرور بنا ہوا تھا، جہاں کا چپہ چپہ ذکر الٰہی سے تروتازہ اور گلی گلی خاصۂ خاصان خدا کی شاہد ومشاہد تھی اور صحیح معنوں میں یہ سرزمین اس شعر کا مصداق تھی۔

چمن میں تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

یہ سب مشیت ایزدی ہے، وہ چاہیں تو خاک سونا اور وہ چاہیں تو سونا خاک، وہ چاہیں تو وادیٔ غیر ذی زرع میں اپنا گھر اور وادیٔ گل وآب کو ویرانیوں کا مستقر، وہ چاہیں تو

ہواؤں کو زندگی بخش بنا دیں، اور وہ چاہیں تو انہی ہواؤں کو ظالموں کے خاتمہ کا سبب بنا دیں، ہر چیز پر وہی قادر اور ہر شیٔ پر اسی کی حکمرانی:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (آل عمران)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ! بادشاہی کے لائق تو ہی ہے، جس کو چاہے تو بادشاہی بخش دے اور جس سے چاہے چھین لے، اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے، اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔

ہر چیز فانی ہے بس اسی کی ذات باقی ہے "تلک الایام نداولھا بین الناس" کے نظارے، صاحبانِ بصیرت وبصارت، ہر آن وزمان اور ہر مکان مشاہدہ کر سکتے ہیں، گنج مرادآباد بھی قدرت کی اسی مداولت کا ایک نمونہ ہے، گنج مرادآباد کا کنز وگنج حضرت فضل رحمٰن کے ساتھ ہی گویا رخصت ہوا یا رخصتی کی ابتداء انہیں کے جانے سے ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ تاریخی سرزمین پاک وپاکیزہ نفوس سے خالی ہوتی چلی گئی۔

ایک زمانہ کے بعد اللہ کی مشیت جوش میں آئی یا اس سرزمین کی آہ وبکا رنگ لائی، اور ۱۹۷۶ء میں مدرسہ مفتاح العلوم کو وجود باوجود بخشا گیا۔

مختلف حالات وشئون سے گزر کر آج یہ تعلیم گاہ ماشاء اللہ فیض رسانی میں ممتاز ہو چکی ہے، اور صاحب تذکرہ حضرت مولانا علی حسن قاسمی کی زیر نظامت ادارۂ مذکور نے بالخصوص ایک مقام حاصل کیا ہے، مولانا نے اپنے وطن مالوف غوث گنج کے علاوہ مدرسہ

امداد العلوم زید پور بارہ بنکی میں بھی تعلیم حاصل کی ہے جہاں کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم، اور معیار تعلیم شہرت کی بلندیوں پر تھا، جہاں اس زمانہ میں عارف وقت حضرت مولانا محمد فاروق مظاہریؒ مہتمم تھے، جن کی للّٰہیت اور نیک نہادی کے قصے اب بھی اہل قصبہ کی زبانوں پر موجود ہیں، جہاں کا ماحول شریفانہ تھا، جہاں کے لوگ متواضع تھے، جہاں کی مساجد کی بڑی تعداد اور ہزاروں حفاظ تھے، جہاں علم اور علماء کی قدر ومنزلت تھی، جہاں بیک وقت تعلیم، تربیت، اور دعوت کا بول بالا تھا، حضرت مولانا علی حسنؒ نے زید پور کا وہی دور پایا تھا، اسی لیے ان کی ذات میں ہر دوئی کا نظم، زید پور کی شرافت اور دیوبند کی عظمت تھی، ان ہی عناصر نے بعد میں مدرسہ مفتاح العلوم کو اوج وارتقا کی منزلوں اور شہرت و ناموری کی بلندیوں سے ہم کنار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

میں حیرت میں ہوں کہ مولانا علی حسن جیسا مرد جری، حق گو عالم، حق نگر درویش اگر کسی بڑے ادارہ یا تنظیم کا پلیٹ فارم پاتا تو امت کا کتنا نفع فرد واحد سے ہوتا، لیکن مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ، اللہ کو یہی منظور تھا کہ وہ مفتاح العلوم کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں، لیاقتوں اور مہارتوں کا ثبوت پیش کریں۔

''سوانح حضرت مولانا علی حسن گنج مرادآبادی''

بہت سے لعل و گوہر اور یواقیت و جوہر کا علمی مجموعہ ہے جس کے مرتب محترم مولانا محمد جنید قاسمی مدظلہ بہر حال لائق تہنیت و تبریک ہیں، میں ان کی کوشش کو سلام کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ان کا اشہب قلم صفحہ قرطاس پر یونہی طرارے بھرتا رہے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

ناصر الدین مظاہری
استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور
۲۶؍فروری ۲۰۱۸ء

بافیض شخصیت

بہ قلم: حضرت مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری استاذ حدیث وفقہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ومن دعا بدعوتهم الى يوم الدين امابعد!

بعض تذکرہ نویسوں اور سلفِ صالحین کی یادوں کے چراغ روشن کرنے والے اصحاب قلم نے مشہور محدث حضرت سفیان ابن عیینہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ مقولہ نقل کیا ہے: ”عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة“ کہ خاصانِ خدا کا ذکرِ خیر نزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے، دیکھا جائے تو یہ ایک لاریب سچائی ہے کہ خدامستوں کا ذکر چھڑتے ہی ویرانے میں بھی بادِ بہاری سی محسوس ہونے لگتی ہے، حتی کہ انسانی کائنات کا خزاں رسیدہ چمن بھی لہلہانے لگتا ہے، اپنے قلب وقالب کو صاف وشفاف رکھنے والے سالک وطالب کے تو کیا کہنے، کہ اس کا گلشنِ عمل اہل اللہ کے واقعات حکایات فرمودات اور مناقشات وملفوظات کی تاثیر سے مسکرا اٹھتا ہے بلکہ کوتاہ عمل انسان بھی بزرگوں کے سوانح وتذکار پڑھنے سے سجدہ سہو کرنے اور صالح زندگی گزارنے کی ٹھان لیتا ہے، اس لیے زمانہ قدیم سے تذکرہ نگاری کا سلسلہ جاری وساری ہے اور نصیبہ ور افراد حسب توفیق اپنے پرکھوں اور قابل قدر شخصیات کے احوال علم وعمل اور نقوش زندگی قلم بند کرتے رہے ہیں، جس سے زریں روایات ہنوز ترقی یاب ہیں۔

خاکسار کے پیشِ نظر: گنج مراداباد ضلع اناؤ (یوپی) کے ایک صاحبِ عزیمت عالمِ دین اور تعلیمی انقلاب کے محرک حضرت مولانا علی حسن فہمی قاسمی مرحوم اور ان کی حیات

وخدمات کا تعارفی گلدستہ ہے، جسے ان کے ہی ایک عقیدت کیش بلکہ سعادت مند شاگرد برادر گرامی مولانا مفتی محمد جنید قاسمی نے سلیقہ سے ترتیب دیا ہے۔ مولانا موصوف کے ارسال کردہ کتاب مذکور کے مسودہ پر خاکسار نے نگاہ جمائی تو مسودہ کے مطالعہ نے تاریخ کے جھروکوں سے دیکھنے پر مجبور کردیا بایں معنی؛ کہ صاحب سوانح اوران کے وطنی شہر گنج مراداباد کے جو دینی و تعلیمی اور روحانی احوال وظروف رہے ہیں، جن سے آخر کے ادوار میں حضرت مولانا علی حسن فہمی کو سابقہ پڑا ہے۔ تقریبا یہی صورت حال تاریخی سرزمین قصبہ گنگوہ کی بھی ریکارڈ کی گئی جہاں فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی ذات والا صفات اپنے معاصر بزرگ تاج العارفین حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادابادی کی طرح شریعت وطریقت کے خم لنڈھاتے تھے تشنگانِ علم ومعرفت آتے اور سیر ہوکر جاتے؛ لیکن حضرت فقیہِ دوراں نے آخرت کی راہ لی تو علم وروحانیت کا یہ چمن اجڑ کر رہ گیا، ہر طرف ہو کا عالم تھا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی عظمت رفتہ اب واپس نہ آئیگی لیکن قسامِ ازل نے حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہی کے حق میں یہ سعادت رکھ چھوڑی تھی کہ چمنِ علم گنگوہ کے سوکھے درخت حضرت قاری صاحب کے وساطت سے مکرر شاداب ہوں گے۔

چنانچہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی شکل میں اکابر گنگوہ کا مشن جاری ہے تقریبا یہی ناگفتہ بہ صورت گنج مراداباد میں مشاہد ہوئی کہ اویس زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمان قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو گنج مراداباد کا سارا علمی اور روحانی خزانہ حضرت کے ساتھ ہی دفن ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چہار سو بدعات ورسومات اور ناخواندگی کی حکمرانی نے پاؤں پسار لیے اس تکلیف دہ ماحول میں جن باہمت افراد نے تن من دھن کی بازی لگائی، اس میں حضرت مولانا علی حسن فہمی کا نام اور کام ہمیشہ ممتاز رہے گا۔ مولانا مرحوم کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے علم وکمالات افکار ونظریات اور مجاہدانہ کردار وعمل سے دین ملت کی

آبیاری کے آرزومند رہا کرتے تھے، انہوں نے تعلیمی انقلاب لانے اور بدعات کی بیخ کنی کے طور پر مدرسہ مفتاح العلوم کو اپنے خونِ جگر سے سینچا اور ہر قسم کے صلہ وستائش سے بے پرواہ ہوکر اسے ترقی کے آسمان سے آشنا کیا، باقی ان کی بامقصد زندگی کے کتنے ہی روشن پہلو ہیں، جن سے کتاب کی افادیت متعدی ہے اور اس کے ہر ورق میں سنگ میل اور رہنما ہدایات موجود ہیں برادر عزیز مولانا مفتی محمد جنید قاسمی مبارک بادی کے مستحق ہیں؛ کہ انہوں نے گنج مراداباد کی ایسی بافیض شخصیت سے روبرو ہونے کا موقعہ دیا جو ہر آن اللہ کی رضا کا طالب تھا، جس کا کردار وعمل ہی اس کی شناخت کا روشن حوالہ ہے، بلاشبہ ایسا بے لوث خادمِ دین وملت بہر صورت یاد رکھے جانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔

کتبہ: الاحقر محمد ساجد کھجناوری
مدیر ماہ نامہ صدائے حق گنگوہ
۵؍ستمبر ۲۰۱۸ء

حرفِ دعا

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مظاہری زید علمہ استاذ مدرسہ صدیقیہ ضیاء الاسلام،
نائب صدر کل ہند اسلامک علمی فقہ اکیڈمی، امام وخطیب مسجد لال بنگلہ، کان پور

الحمد لله رب العالمين والصلاة و السلام على سيدنا محمد سيد المرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

عمر عزیز اور حیات انسانی کا قیمتی اور زریں عہد، عہد جوانی ہے، اس وقت کا ہر قدم آ کر صحیح سمت میں پڑے تو تاریخ ساز بن جاتا ہے، بلا شبہ اس عہد کو ایک زرخیز زمین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس میں جیسا بیج ڈالا جائے گا ویسی ہی فصل اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ وجود میں آتی ہے، کیونکہ اس عہد میں تمام صلاحیتیں عروج پر ہوتی ہیں بقول شاعر:

ابھرے تو آندھی بپھرے تو طوفاں ☆ چٹکے تو غنچہ لرزے تو شبنم

اسی عہد کو بامقصد بنانے کی خاطر وجہ تخلیق کائنات ﷺ نے فرمایا کہ پانچ باتوں کو غنیمت جانو اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اٹھالو، ان میں سے ایک جوانی ہے اس کو غنیمت جانو بڑھاپے سے پہلے۔

خوش قسمت ہیں وہ نوجوان جو اس راز کو سمجھ گئے انہیں میں جناب مولانا مفتی محمد جنید صاحب قاسمی ہیں جنھوں نے اپنے علمی تحقیقی اور تصنیفی سفر میں اپنے استاذ محترم اور اپنے وقت کے عالم باعمل صوفی باصفا حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمیؒ کی سوانح حیات کو اپنا موضوع بنایا ہے، بلا شبہ علماء محققین اور فضلاء کاملین وسلف صالحین کے تذکرے ان کی مساعی جمیلہ اور علم دین کے راستے میں ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا امر عظیم ہے،

حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمیؒ ایک بہترین معلم، قابل تقلید منتظم و مدبر، بہترین شاعر، علم وعمل کا سنگم اور اسلاف کی روایات کے امین اور ہمہ جہت خوبیوں کے مالک تھے، آپ کے خطبات اشعار اور خطوط کو دیکھ کر آپ کی علمی گیرائی شریعت مطہرہ کی پاسداری کا پتہ چلتا ہے، معاشرے کی بے راہ روی پر آپ کی کڑھن لوگوں کی اصلاح کے تئیں سنجیدہ کوشش کی مکمل تصویر، آپ کے خطبات سے عیاں ہے۔

مدرسہ مفتاح العلوم آپ کے علمی خدمات کا گواہ ہے جو تا قیامت طلباء علوم نبوی کی علمی تشنگی بجھانے کا سامان فراہم کرتا رہے گا۔ ان شاءاللہ

مفتی جنید صاحب نے آپ کی سوانح حیات کو بڑے اچھے پیرائے میں کتابی شکل دے کر مفید عام بنادیا اور مولانا کی زندگی کے وہ مفید گوشے جو عوام اور آنے والی نسلوں کی نگاہوں سے مخفی رہ سکتے تھے، زندۂ جاوید بنادیا، اس طرح عوام وخواص مولانا مرحوم کے علم و عمل، حسن انتظام، آپ کے خطبات، اشعار اور مفید خطوط کے ذریعہ کی گئی جامع نصیحتوں سے مستفید ہوتے رہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس مجموعے کو بے حد شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

بندہ

خلیل احمد مظاہری

خادم التدریس

مدرسہ صدیقیہ ضیاء الاسلام کانپور

مولانا علی حسن فہمیؒ قابل قدر شخصیت

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب قاسمی، امام وخطیب مسجد لکشمی نگر، دہلی
ونائب صدر جمعیۃ علماء صوبہ دہلی

ضلع اناؤ میں قصبہ گنج مرادآباد ایک زرخیز علاقہ ہے، جس میں حضرت مولانا علی حسن فہمیؒ نے مدرسہ مفتاح العلوم قائم کر کے آئندہ نسلوں کو عظیم تحفہ دیا ہے، تشنگانِ علم ونبوت سیراب ہورہے ہیں، موصوف بہت سی خصوصیات کے مالک تھے اور اپنی پوری زندگی دین اسلام کی بقااور مسلک حقہ کے تحفظ کے لیے جدوجہد کرتے رہے، سرور عالمؐ پر سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو چکا ہے، اس لیے آئندہ امت کی دینی وفکری قیادت اور مخلوق کو خالق سے وابستہ کرنے کی ذمہ داری علماء امت پر ڈالی گئی ہے، علماء ہی اپنے علم ومنصب کے اعتبار سے اس ذمہ داری کے زیادہ امین ہیں "العلماء ورثۃ الانبیاء" اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے اہل حق پیدا کیے جن کی پوری زندگی گلشن اسلام کی آبیاری میں گذری اور جب کبھی اسلامی عقائد وافکار کے خلاف کوئی فتنہ اٹھا تو ان علماء نے تمام خطرات سے بے نیاز ہوکر باطل قوتوں کی سرکوبی کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی، ان حق پرستوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ بڑی سے بڑی طاقت اور شیطانی سازشیں ان کے عزم واستقلال کو چیلنج نہ کرسکیں، دار العلوم دیوبند میں قرآن وحدیث اور فقہ کی جو تعلیم دی جاتی ہے، اس کا اپنا ایک منفرد انداز ہے، وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا اور تمام عالم اسلامی میں اپنی مثال آپ ہے، دار العلوم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ طالب علم کی ذہنی وفکری تربیت کر دیتا ہے، اور ان میں

علمی ذوق پیدا کر دیتا ہے، اور جہاں کہیں بھی اسے علم وحکمت کی پونجی نظر آتی ہے، اس کی طرف دوڑتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت مولانا علی حسن فہمیؒ انھیں حضرات میں سے ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے، اکابر علماء اور بزرگانِ دین سے تعلق اور ان سے علمی استفادہ عقائد کی درستگی ادب کا ذوق ان کا محبوب مشغلہ تھا، جب دہلی تشریف لاتے تھے مختصر سی ملاقات ہوتی تھی، شائستہ زبان سے محبت کے پھول نچھاور کرتے تھے، اگر چہ کم عمری میں دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن آپ کی عمر کی برکت کا اندازہ ہوتا ہے کہ صدقہ جاریہ کے بہت کام کر گئے، مدرسہ مفتاح العلوم کا قیام اور اولاد کو صالح بنایا، آپ کے لیے آخرت کا بہترین تحفہ ہے، جلسہ دستار بندی میں مجھے بھی ایک مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا، حافظ محمد فرقان صاحب نے مدرسہ کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے، جو حضرت کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جدوجہد میں مصروفِ عمل ہیں۔

یاد کرتے ہیں برابر ان کی خوبیاں
سب دعا گو ہیں کہ ہوں مقبول ساری نیکیاں

عبدالحنان غفرلہ

۲۰۱۸/۶/۱۰ء

باتیں ان کی یاد رہیں گی

حضرت مولانا محمد منیب صاحب، استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم زید پور، بارہ بنکی

مولانا علی حسن صاحب قاسمی ہمارے بڑے محترم دوست تھے، مزاج سنجیدہ، طبیعت میں میانہ روی، مزاج و مزاح میں اعتدال پسندی اور اساتذہ سے بے حد لگاؤ اور خدمت کا بہت شوق تھا، ہم لوگ عموماً ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور تکرار و مطالعہ میں کھل کر علمی بحث کرتے، ہمارے اساتذہ اس طرز اور سبق کو اس انداز سے یاد کرنے پر بہت خوش ہوتے، مولانا کو قرآن بہت شاندار یاد تھا، اور قرآن پڑھتے بھی بہت عمدہ تھے، اسی یادداشت اور حسنِ صوت کی وجہ سے امداد العلوم زید پور بارہ بنکی کے استاذ حضرت مولانا محمد اکبر صاحب زید پوری نے تکمیل حفظ قرآن اپنے اس شاگرد رشید مولانا علی حسن کے پاس کیا، اس وقت کی روایت کے مطابق مولانا اکبر صاحب نے اس نہج پر ایک پروگرام کیا اور مولانا علی حسن کو ہدیہ و تحائف پیش کیے، مولانا اس دور طالب علمی میں حسنِ صوت کی وجہ سے زید پور کی جامع مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے اور جب مدرسہ میں رہتے تو مولانا ہی نماز پڑھاتے، اس وقت جن اساتذہ سے کتب بینی کی مختصراً درج ذیل ہیں:

میزان: حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ مہتمم مدرسہ ہذا

نحو میر: حضرت مولانا عبد الہادی صاحب دامت برکاتہم پرتا پگڈھ

نفحۃ العرب: حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدیؒ

ترجمہ قرآن پاک: 〃 〃 〃

مولانا موصوف کا قیام زید پور میں ۴/۵ سال تک رہا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

محمد منیب

استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم زید پور، بارہ بنکی

تأثرات

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مظاہری زید علمہ استاذ مدرسہ نشأۃ العلوم حاجی گنج قنوج

مکرمی جناب مفتی محمد جنید صاحب قاسمی..........طول عمرہ، زاد علمہ وعملہ

حضرت اقدس مولانا علی حسن صاحب فہمیؒ کے تذکرہ کے سلسلے میں ایک کتاب شائع ہورہی ہے، مجھے بہت خوشی ہے اور مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ تمام ذمہ داروں کو، حضرت اقدس مولانا علی حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے احقر کو بہت لگاؤ تھا، اور بعض اوقات حضرت مولانا سے راز و نیاز کی باتیں بھی ہوا کرتی تھیں، حضرت بچوں کی تعلیم و تربیت کو لے کر بہت متفکر رہتے تھے، ایک مرتبہ مدرسہ کی تعلیم کے سلسلے میں بات چل رہی تھی، تو حضرت نے فرمایا مولوی محمد الیاس شعبہ حفظ میں چھوٹے بچوں کا داخلہ لیا کرو، کیونکہ چھوٹے بچے صاف دل اور صاف ذہن ہوا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا کلام پاک و صاف ہے، لہٰذا پاک و صاف قلب میں اللہ کا کلام جلدی بیٹھ جاتا ہے، اور بارہا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا تذکرہ کرتے تھے، اور واقعات سنا کر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ غیر مسلم کے ساتھ حضرت کا سفر ہوا، دورانِ گفتگو اس نے مدرسہ کا حال پوچھا کہ کوئی آپ کے مدرسہ کے مخالف تو نہیں ہے؟ فرمایا جی بعض ناواقف لوگ مخالفت کرتے ہیں، تو اس غیر مسلم نے کہا پھر تو آپ کا مدرسہ بہت جلد ترقی کرے گا، اس لیے کہ جس چیز کی بے جا مخالفت کی جاتی ہے اس کی بہت جلد ترقی ہوتی ہے، اس قسم کے بہت سارے واقعات حضرت کی زندگی میں رونما ہوئے۔

حضرت مستقل مزاجی پر بہت زور دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ استقلال میں بہت

فائدے ہوتے ہیں، اوراس سلسلے میں بزرگوں اوراللہ والوں کی مثالیں بیان فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کوکروٹ بہ کروٹ سکون عطافرمائے، اور جو باغ وہ لگا گئے ہیں، وہ تا قیامت پھلتا پھولتا رہے، اوراپنے مقاصد میں کامیاب ہوکر کامیابی کے منازل طے کرتا رہے، اوران کے فرزندارجمند جناب الحاج حافظ محمد فرقان صاحب کواللہ تعالیٰ ثابت قدمی اورہمت وحوصلہ دے تاکہ وہ اپنے والد ماجد کی فکروں اوران کے عزموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوں۔

بس میری یہی دعا ہے کہ مدرسہ مفتاح العلوم کفر وشرک، بدعات وخرافات کے دلدل میں منارۂ نور وہدایت ثابت ہو۔

احقر محمد الیاس مظاہری
خادم مدرسہ نشاۃ العلوم حاجی گنج، قنوج

جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے نیر اعظم ہوتا ہے

محترم جناب عبدالعظیم صاحب رحمانی ملکاپوری ممبئی، مصنف ''دستور زندگی''

اس بدیہی حقیقت سے کسے انکار کا مجال کہ علم اور کسب فیض تو دراصل مدارس، معلم اور متعلم کی شان ہوتے ہیں، یہیں وہ بیج بویا جاتا ہے جس کی ننھی کونپلیں مستقبل کے تناور درخت بن کر چہار جانب اپنی ضوفشانی کے گھرے سایہ اور ثمر المفید تقسیم کرتے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

دینی شعور، علم و بصیرت، عقل و شعور، کسب و اکتساب ہر وقت اور ہر دور میں مسلسل جاری وساری ہے، قرآن مجید دستور زندگی اور دستور العمل ہے، انبیاء علیہم السلام کی سیرت مبارکہ اخلاق و کردار، دعوت و عزیمت کی اعلی قدریں اور انسانوں کے ذہنوں کو مالک حقیقی کی بندگی پر آمادہ کرنے کی واضح اور درخشاں مثال ہے، علماء، صوفیاء، اولیاء، اکابرین اسی کے خوشہ چیں رہے، اپنے کردار کی بلندی، کسر نفسی، تقویٰ وطہارت ان کا کمال امتیاز اور طرۂ زندگی رہا ہے، حضرت مولانا علی حسن صاحب کی زندگی کی تصویر، ان کی ذات والا صفات، علم و تبحر، مدارس اسلامیہ کے لیے اور ملت اسلامیہ کے لیے ان کی تڑپ، اصلاح واحوال، آپ کے مضامین سے ظاہر ہوتے ہیں، قابل مبارکباد ہیں آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کتاب کے تذکرہ نگار و مرتب مولانا محمد جنید قاسمی صاحب، استاذ مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد، اناؤ، جنھوں نے حضرت والا کے حالات و کوائف کو یوں ترتیب دیا کہ حضرت کی شخصیت کا نمونہ آنکھوں کے سامنے ابھر کر آگیا۔

صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالع ترا طالع کند

زیرنظر کتاب میں مولانا محمد جنید قاسمی حفظہ اللہ نے بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے اپنے استاذ ذی وقار کے حالات کے ساتھ ساتھ خطوط، مدرسہ مفتاح العلوم کا مختصر لیکن جامع تعارف کے درج فرمایا ہے، ترانۂ مفتاح العلوم عزم بالجزم کی نشانی اور حوصلہ مندی کی علامت ہے، مختلف شعبۂ جات، معلمین واساتذہ کرام کا تذکرہ ایک مرقع وگلدستہ ہے جس کو نہایت خوش اسلوبی سے ٹانکا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد، اس کے سرپرست واساتذہ سے دینی خدمات اور روح دین اسلام دعوت وعزیمت کی منزلیں طے کرتا رواں دواں اپنے مقاصد میں کامیاب وکامران ہو، خدا اس کتاب کے مرتب کی عمر دراز کرے اور قلم کو اشہب فلاح ونجات کے لیے ترقی وکامرانی عطا کرے۔

عبدالعظیم رحمانی ملکاپوری
(مصنف ''دستور زندگی'')

حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت منتظم

مرتب: محمد جنید قاسمی

مرحوم ومغفور ایک طرف علم کی دولت سے مالا مال تھے اور اکابر دیوبند کے فیض یافتہ اور پروردہ تھے، مولانا جہاں تمام خوبیوں کے مالک تھے، ان میں سے ایک انتظام وانصرام بھی آپ کے اندر تھا، ایک طرف مسند درس پر جلوہ گر ہوتے تو دوسری طرف منتظم ہوتے، نہایت سلیقے سے اپنا دور اہتمام گزارا، اور امانت ودیانت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا، زیر اہتمام، لب سڑک واقع طویل عمارت بشکل مارکیٹ اور مدرسہ کا اعلی گیٹ آپ کی رفعت وبلندی کے گواہ ہیں، مدرسہ کی اراضی، بغرض مفاد مدرسہ تعمیر مسجد اور دیگر تعمیراتی منصوبے، جو-اب تعبیر خواب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے صبر کا مادہ خوب سے خوب تر عنایت فرمایا تھا، اس لیے آہستہ آہستہ مالا مال کرتے رہے، جب مارکیٹ کی تعمیر ہورہی تھی، مرحوم رات کے اندھیرے میں لالٹین لے کے آتے اور معائنہ کرتے اور کہیں پانی بھر جاتا یا کوئی اور خراش تراش ہوتی تو اس کو اپنے ہاتھ سے درست فرماتے، لب سڑک واقع تمام دکانیں آج مفاد مدرسہ میں ممد ومعاون ہیں، اسی طریقے سے مدرسہ کا صدر گیٹ آپ ہی کے زیر انتظام تعمیر ہوا، آج اپنی تابانی وطولانی کی وجہ سے معروف ومشہور ہے، نیز دورانِ تعمیر گیٹ بارش میں بھی نہیں رکا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ معمار اپنے کام میں مصروف تھا، بارش ہونے

لگی، تو معمار نے کام کو بند کر دیا، اور پنّی سے تعمیر شدہ حصہ کو ڈھانک دیا، مولانا مدرسہ کے وقت تشریف لائے دیکھا کام نہیں ہو رہا ہے، معمار کو بلایا، وجہ دریافت کی، کہا: جاؤ اور مزید پنّی منگالو اور اس کو چاروں طرف سے باندھو، تاکہ پانی اوپر سے نہ گرے، کام جاری رکھو، اس بارش میں بھی مولانا نے کام بند نہیں کرایا، سلسلہ جاری رکھا۔

قال اللہ تعالیٰ: ان تنصر اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم[سورۃ محمدالایۃ/۷]

ترجمہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

ank

☆☆☆☆

سوانحی خاکہ

یعنی

سفر نامۂ حیات

حضرت مولانا علی صاحبؒ قاسمی فہمی رحمۃ اللہ علیہ

سابق ناظم و مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم

انصار میدان گنج مراد آباد (اناؤ)

تحریر

محمد جنید قاسمی

سفر نامۂ حیات مولانا علی حسن صاحبؒ
ایک نظر میں

نام: علی حسن

تخلص: عاصیؔ...... بعد میں فہمیؔ لکھنے لگے تھے۔

ولدیت: امام بخش۔ وفات ۱۴/ نومبر ۱۹۸۹ء بروز جمعرات (۱)

جائے پیدائش: بڑا نوادہ غوث گنج ضلع ہردوئی

دار العلوم زید پور بارہ بنکی میں رجسٹر داخلۂ اندراج کے مطابق تاریخ پیدائش اور داخلہ درجۂ حفظ سے متعلق تفصیلات اس طرح درج ہیں:

داخلہ نمبر: ۵۹

تاریخ پیدائش: ۲۰/نومبر ۵۲ء

ولدیت: رحیم بخش

موضع نوادہ ضلع ہردوئی

داخلہ: ۲/فروری ۱۹۶۷ء

حفظ قرآن: ۲۰/مارچ ۱۹۶۷ء

فراغت درجہ حفظ: ۳۱/مارچ ۱۹۶۷ء

تاریخ پیدائش: ۱۰/جنوری ۱۹۴۴ء مطابق ۱۳۶۳ھ۔

حکمت کی تعلیم: حضرت مولاناؒ نے دیگر علوم وفنون کی تکمیل کے بعد، آپ نے حکمت کی بھی تعلیم حاصل کی، چنانچہ آپ کی سند میں تفصیلات اس طرح درج ہیں:

---

(۱) والدہ مرحومہ کی وفات: ۲۵/مارچ ۱۹۸۲ء

رجسٹرار انڈین میڈیکل بورڈ اتر پردیش لکھنؤ نے سال ۱۹۶۴ میں اپنی سند نمبر ۱۳۰۰، تاریخ: ۳۱/۱/۱۹۶۴ کو یو پی، میڈیسین ایکٹ کی دفعہ ۵۰ (ا) کے تحت طب یونانی (حکیمی) کی فہرست میں شامل کیا، اسی سند میں مولانا کی تاریخ پیدائش ۱۰/جنوری ۱۹۴۴ء درج ہے، دیگر اطلاع اور شواہد کی بنیاد پر اسی کو معتبر مانا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ابتدائی تعلیم: وطن مالوف میں حضرت مولانا محمد یوسف گھیورئی مظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس۔

حفظ کی تعلیم: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مشہور شعبۂ حفظ کے استاذ حافظ حشمت اللہ صاحبؒ کے پاس حفظ کیا۔

عالمیت کی ابتدائی و متوسطات کی تعلیم: امداد العلوم زید پور بارہ بنکی، مظاہر علوم سہارنپور میں۔

عالمیت کی اعلیٰ تعلیم: از ہر ہند دار العلوم دیو بند۔

تقرر مدرسہ مفتاح العلوم: ۱۶/اگست ۱۹۷۹ مطابق ۱۳۹۹ھ

وقت وفات: شب جمعہ، دہلی سے واپس ہوتے ہوئے اٹاوہ میں آخری سانس لی۔

تاریخ وفات: ۱۹/جون ۲۰۰۳ء شب جمعہ، مطابق ۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ۔

وقت نماز جنازہ: بعد نماز جمعہ، مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم کے وسیع و عریض صحن میں۔

جائے مدفن: مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم کے صدر گیٹ سے داخل ہوتے وقت بائیں جانب۔

خاص اوصاف: اصول پسندی، سادگی، حق گوئی، احساسِ ذمہ داری

خاص معمولات: خاص طور پر نماز فجر سے سوا یا ڈیڑھ گھنٹہ قبل طلبہ کو تعلیم کے لیے جگانا، بعد نماز فجر تلاوت قرآن میں خود اور طلبہ کا مشغول ہونا، ناشتہ وغیرہ سے

فارغ ہوکر تدریسی فرائض کوانجام دینا۔

حلیہ و جسمانی ساخت: درمیانہ قد، بارعب مہرہ، گھنی داڑھی، دوپلی دیوبندی ٹوپی، لباس موسم گرما میں، ہلکا بغیر کالر کا کرتا اور تہبند، موسم سرما میں کالی شیروانی اور سفید رومال۔

☆☆☆☆

آہ! حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمیؒ

”مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے“

ایک ایسا چراغ جس سے علم وعمل کی بہت سی بستیاں روشن تھیں، اوراس کی حرارت آمیز کرنوں سے بیشمار قلوب جگمگا رہے تھے، رحیل مغفوران قدسی صفات کی حامل برگزیدہ شخصیات کی حسین یادگار تھے، جس کے کردار وعمل کے پاکیزہ نقوش گہرے بھی ہیں، اوردیرپا بھی ہیں، ان کے قول وعمل کی یکسانیت کے لازوال کردار نے ایسے افکار ونظریات کو وجود بخشا جن کی افادیت زمان ومکان کی حدود سے پَرے ہے، ان کی زندگی کے شب وروز بالکل اس آئینہ کے مانند تھے، جہاں گفتار وکردار کے سکے ڈھلتے نظر آتے اور صدق وصفا کے نغموں سے کان بھی مانوس رہتے، ان کی خلوت اور جلوت سے جمال محمدی کا عکس چھلکتا تھا، ان کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی، اورادادر بار محمد سے مستعار۔

مولانا علی حسن قاسمیؒ نے ۱۹۴۴ء کو موضع غوث گنج ضلع ہردوئی کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم وتربیت وطن مالوف ہی میں رہ کر ہوئی، قسمت نے یاری کی تو دارالعلوم ندوۃ العلماء پھر مدرسہ امدادالعلوم زیدپور بارہ بنکی جا پہنچے، وہاں آپ نے تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھا، عربی، فارسی درجہ متوسط تک تحصیل علم کا مرحلہ اچھی طریقے سے طے کیا، پھر مظاہر علوم سہارنپور اوراعلیٰ تعلیم کے لئے ام المدارس ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کا رخت سفر باندھا، آپ نے جن اکابر سے شرف تلمذ حاصل کیا، ان میں سرفہرست، فخر المحدثین یادگارِ اسلاف حضرت مولانا فخر الدین

صاحب محدث دار العلوم دیوبند تھے، مادر علمی دار العلوم دیوبند کا یہ قابل فخر سپوت، اپنے اسلاف کی گراں بہا امانت کی تبلیغ واشاعت کا صالح جذبہ لے کر میدانِ عمل میں کود پڑا، اور ۱۹۷۹ء میں بحیثیت مہتمم اور مدرس، نیز مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد میں وہاں کی ہوش مند انتظامیہ نے آپ کا تقرر کر کے آپ کی صلاحیت وصالحیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

آپ کی ذات والا صفات میں رب کریم نے ایسے محاسن وکمالات ودیعت فرما دیئے تھے جس سے آپ کی شخصیت کا فیض آبِ رواں کی شکل اختیار کر گیا تھا، ان کی زندگی کے قیمتی لمحات احقاقِ حق اور اشاعتِ دین کی پاکیزہ خدمت کرتے ہوئے گزرے، موصوف مرحوم نے اپنی صلاحیتوں کو ترقیات دین وملت ہی کا ذریعہ بنایا، اگر وہ چاہتے تو زر کشی کی بے شمار منزلیں طے کر سکتے تھے، بقول شاعر:

وہ کم نصیب مقام نظر کو کیا جانے ☆ جوان کے دل کی بلندی کا راز نہ جانے

یوں تو ہر مومن کامل کے اخلاق وعادات شریعت حق اور سنت مطہرہ کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن وہ مؤمنین کاملین جو داعی الی اللہ بھی ہوں، ان کے اخلاق وعادات جہاں شریعت حقہ اور سنت مطہرہ کے مطابق ہوتے ہیں وہاں دوسروں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

حضرت مولانا علی حسن صاحبؒ کو قدرت نے یہی کمال عطا فرمایا تھا، اس زمانہ میں وہ سلف صالحین کی نشانی تھے، ان کے پاس بیٹھنے سے دنیا سے نفرت اور آخرت سے انس پیدا ہونے لگتا تھا، عجیب جاذبیت کے انسان تھے۔

سخاوت و توکل: حضرت مولانا کے پاس نہ کوئی جائیداد تھی اور نہ دولت اور نہ کہیں سے کوئی وظیفہ مقرر تھا، سو اس پر اخراجات اور اللہ کی طرف سے جو مہمان آتا اس کا خیر مقدم کرتے، اور ہر طریقے سے اچھی ضیافت کرنے کی سعی فرماتے، اور اللہ پر اعتماد کامل رکھتے۔

ضبط و صبر اور تحمل : قومی اور عوامی کاموں میں ضبط وصبر اور تحمل کی بے انتہاء ضرورت ہے، بغیر اس کے وہ کام نہیں ہوسکتا، مدارس سے وابستہ، تدریس سے ملحقہ کام میں جس قدر عمومیت ہے، شاید کسی دوسرے کام میں اس قدر نہیں، عوام وخواص کے حلقہ میں بے حد مقبول، انتظامی امور کے بے پناہ صلاحیت سے معمور، تربیتی نہج کے ماہر، رجال سازی اور ترقی تعلیم میں خداداد صلاحیتوں سے لبریز تھے، نزاعات واختلافات سے کوسوں دور، رسم رواج کا قلع قمع کرنے میں ہمہ تن مصروف، احیاء سنت کے پابند۔

اخلاق و عادات: حضرت مولانا علی حسن صاحبؒ صاحب علم وفضل کے ساتھ ساتھ بلند اخلاق، پاکیزہ اوصاف، انتہائی متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے، آپ کی سادگی کھانے پینے نشست وبرخاست، رہن سہن اور گفتگو ہر چیز میں ملحوظ رہی، عوام پر مولانا کی بزرگی اور تقدس کا اس قدر اثر تھا کہ بے ساختہ تعظیم کے لیے مجبور ہو جاتے تھے، مجھے کئی دفعہ حضرت کے ساتھ نماز پڑھتے اور مدرسہ کے اوقات میں گھر سے آمد ورفت کے وقت ساتھ جانے کا اور رہنے کا اکثر موقع ملا، تو یہ منظر آنکھوں سے دیکھا۔

ہم دیکھتے ہی رہ گئے : مولانا آپ تو چلے گئے آپ کی باتیں ہمیشہ یاد آیا کریں گی، آپ کی تواضع وانکساری ہمارے لیے نمونۂ حیات بنی رہے گی، آپ کی محبت کی خوشبو دلوں میں ہمیشہ رچی بسی رہے گی، آپ بہت یاد آئیں گے، آپ کی زجر وتوبیخ یاد آئے گی، آپ کی زندگی اچھی تھی، اللہ سے دعاء ہے، آپ کی آخرت بھی اچھی ہو، اعلی علیین میں مقام عالی عطا ہو۔

مولانا اور طلبہ: حضرت مولانا بہت ہی رحم دل اور مہربان تھے، ظاہراً تو سخت لگتے تھے، لیکن باطن میں نہایت رقیق القلب تھے، مولانا تمام طلبہ کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے، آپ طلبہ کے سلسلے میں ہمیشہ فکرمند رہتے تھے، خاص طور پر نماز اور تعلیم کے سلسلے

میں، تعلیم کے حصول اور وقت کے پابند ہونے پر طلبہ کو نصیحت کرتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ کی شخصیت بارعب تھی۔

گلشن کے بیچ ایک مہکتے گلاب تھے

مولانا مرحوم ہر اس وصف کے مالک تھے جس سے ایک اللہ کا برگزیدہ بندۂ مؤمن متصف ہوتا ہے، وہ مردم شناس تھے، چہرہ دیکھ کر ذہن معلوم کر لیتے تھے، لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لیتے تھے، ان کے پیچھے نورِ الٰہی کارفرما تھا، ان کی فراست حقیقت میں دور رس تھی، معاملہ فہم اور چہرہ شناس تھے، ظاہری ٹیپ ٹاپ کو ناپسند کرتے تھے، تصنع سے بہت بعید تھے۔

مولانا کے امتیازات

مولانا کے مزاج میں حد درجہ اپنائیت تھی، طبعی خودداری کی بناء پر از خود مراسم بنانا تو ان کے لیے ممکن نہ تھا، لیکن جب کسی سے تعلق ہو جاتا تو پھر وہ مروت و پاسداری کے تمام تقاضے پورے کرتے، اور نیاز مندوں کو کبھی شکایت نہ ہوتی۔

خصوصی امتیاز: ادارے کی ترقی کی شدید خواہش، ہمہ وقت تعلیمی و انتظامی رہنمائی، مستقبل کی بابت مفید مشوروں کی سوچ، یہ ان کی ایسی دل ربا ادائیں تھیں جنہیں کوئی احسان شناس عقیدت مند کبھی بھول نہیں سکتا۔

احقر کے نزدیک مولانا کی امتیازی خوبی ان کی محتاط مہذب گفتگو تھی جو احساسِ ذمہ داری کا نتیجہ ہوتی، انہوں نے اپنے کٹر دشمنوں کے لیے کبھی کوئی سخت الفاظ استعمال نہیں کیے۔

مولانا اور حسبِ حال فرق باطلہ کی تردید

فرق باطلہ کی بیخ کنی اور باطل کی سرکوبی آپ کی زندگی کا اہم مشن تھا، حضرت مولانا

نے گنج مراد آباد اور اطراف میں فرق باطلہ کی تردید اور مسلک حق میں پختگی کے لیے حسبِ موقع تحریر اور تقریر فرمائی، اور وقتاً فوقتاً جلسے کیے، اور دوسرے مدارس کے ذمہ داروں کو اس جانب متوجہ بھی فرمایا، اسی طرح بالخصوص گنج مراد آباد جو شرک و بدعت کا گہوارہ، تعزیہ داری، ماتم، نوحہ اور دیگر بدعات سے معمور اس وادی نے اپنے جلو میں دیگر خرافات بھر رکھی تھیں، اور بالعموم اطراف میں باطل فرقوں سے مقابلہ اور نبرد آزمائی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، بقول شاعر:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

اس موقع پر وہ اقتباس نقل کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا جس کو حضرت مولانا قمر الدین صاحب استاذ حدیث وسابق ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند زید مجدہم نے فرمایا: حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جس ذات گرامی کے ذریعہ سے دین وملت کا کام لینا ہوتا ہے، اس میں خوبیاں اور صفات بھی ویسی پیدا کر دی جاتی ہیں۔ (بحوالہ ''ترجمان دیوبند'': ۳۷، مارچ ۲۰۰۶)

مولانا کا خصوصی وصف

حضرت نے کبھی بھی اور کہیں بھی حق وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور اسلام کی حقانیت وصداقت کو اجاگر کرنے کے لیے زندگی بھر کام کرتے رہے۔

مولانا علم وعمل کے پیکر

حضرت ذاتِ خداوندی اور عشق رسول سے سرشار تھے، ان کے اشعار، حمد ومنقبت اور نظم و نعت اس پر شاہد عدل ہیں، حمد ومنقبت کے ان کے اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

ترا ذکر دل کی حیات ہے، ترے ذکر ہی میں نشاط ہے
تری یاد ہی میں ثبات ہے، تری شان کتنی عظیم ہے

موصوف محترم آگے دوسری حمد میں یوں رقم طراز ہیں:

ہمارا جینا مرنا ہو ترے ہی واسطے ہر دم
کریں وہ کام پوشیدہ رہے جس میں رضا تیری

مولانا سچے عاشق رسول تھے، اور عشق رسالت میں سرشاریوں نظر آتے ہیں:

عالم کے رہنما سے میرا اسلام کہنا، غمخوارِ غمزدہ سے میرا اسلام کہنا
بادِ صبا اگر ہو تیرا گزر حرم سے، محبوب کبریا سے میرا اسلام کہنا

خدمات

مولانا ہمیشہ مدرسے کی ترقی میں مشغول رہے، شعبہ حفظ اور درجات عربی کا قیام حضرت نے کیا، مدرسے کی اراضی اور دیگر ضروریات اور تعمیراتی کام اور منصوبے وہ مولانا کی زندگی کا اہم باب ہے، رسوم و بدعات کی جڑ سے بیخ کنی کی، مدرسے میں ماہرین حفاظ تیار کیے، اور مدرسے کے منصوبے کو بروئے کار لانے میں اہم رول ادا کیا، الغرض مولانا کی خدمات کو محیط ایک باب ہے جو بجائے تفصیل کے ایک مستقل کتاب ہے۔

شاعری

مولانا کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے زبردستی شعر کہنے کی کبھی کوشش نہیں کی، تنہائیوں میں فرصت ملی تو شعر کہے، کسی شعر میں موقع مل گیا اور نظم موزوں ہوگئی، انہوں نے اپنے کمال سے وہ معاملے بھی نظم کر دیئے جو عموماً ذاتی مشاہدات اور تجربات سے حاصل ہوتے ہیں، وہ انتخاب الفاظ کا خاص خیال رکھتے تھے۔

مولانا کی وفات

شب جمعہ دہلی اور اٹاوہ کے دوران، دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کونور سے بھر دے اور جنت الفردوس عطا کرے، آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

بقول شاعر:

اداس ہے گل و لالہ نہیں رہا
شان شعبہ حفظ، جس سے تھی دوبالا نہیں رہا
جلتے چراغوں میں اجالا نہیں رہا
تم تھے تمہارا عجب احسان ہوا تھا

تاریخ وفات: ۱۹/جون ۲۰۰۳ء شب جمعہ،
مطابق ۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆☆

باقیاتِ شمع فروزاں
مولانا کی شاعری پر
ایک طائرانہ نظر

جو صنف شاعری سے تعلق رکھتی ہے

حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمیؔ کا مجموعہ کلام: شمعِ فروزاں اشاعت پذیر ہو کر قبولِ عام وخاص ہوا۔ یہ مجموعہ، مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوا تھا لیکن افسوس مولانا کا اصل مسودہ تاہنوز لاپتہ ہے، اس مجموعہ میں بہت سی نعتیں، نظمیں، اس میں شامل نہیں ہوئیں، سوانح کی ترتیب کے دریں اثنا، اس بات کا شدید احساس ہوا کہ مرحوم نے اور بھی بہت سی نظمیں، حمد وغیرہ لکھی ہیں، اس کتاب میں ان کو شامل کر دیا جائے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مولانا کا شعری تخلص ابتدائی دور میں عاصی تھا، اسی ابتدائی دور کی نظمیں عاصی تخلص کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں، پھر مولانا نے اس تخلص کو تبدیل کر دیا اور فہمی تخلص لکھنا شروع کر دیا۔ الحمد اللہ راقم السطور نے باقیاتِ فہمی کی ترتیب از سرِ نو شروع کر دی ہے، اس میں انشاء اللہ پوری کوشش کے ساتھ مکمل نظمیں حمد، نعتیں، دگر تقریبات میں پڑھے گئے کلام بھی شامل ہوں گے۔ [مرتب]

ایک دردمند مصلح کی شاعری

جناب ڈاکٹر تابش مہدی صاحب، نئی دہلی

مولانا علی حسن فہمیؒ ایک جید عالم دین اور دردمند مصلح تھے، انہوں نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور قوم وملت کی اصلاح ورہنمائی کے لیے وقف کر رکھی تھی، وہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کی سرزمین قصبہ گنج مرادآباد ضلع اناؤ، یوپی کی مشہور درسگاہ مدرسہ مفتاح العلوم کے مہتمم تھے، انھوں نے جس انداز سے اپنا خون پسینہ ایک کرکے مدرسہ کو پروان چڑھایا، اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا علی حسن فہمیؒ چونکہ مزاجی طور پر داعی و مصلح واقع ہوئے تھے، دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت ان کی زندگی کے اہم مشاغل تھے، اس لیے انہوں نے اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق، ہر وہ طریقہ اختیار کیا، جو اس راہ میں مفید ہوسکتا تھا، شعر وادب کو ملت کی اصلاح ورہنمائی کے لیے ہمیشہ ایک مؤثر ذریعہ تصور کیا گیا ہے، چنانچہ مولانا مرحوم نے اس فن کو بھی اپنی دعوتی واصلاحی جدوجہد کا وسیلہ بنایا اور اپنی نظموں، نعتوں اور ترانوں کے ذریعے قرب و مضافات کے لوگوں کی اصلاح ورہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

کتاب (شمع فروزاں) حضرت مولانا علی حسن قاسمی فہمیؒ کی اصلاحی وتعمیری شاعری کا ایک خوش نما گلدستہ ہے، اس میں مولانا کے حمدیہ کلام بھی ہیں، اور نعتیہ بھی، اور اصلاحی و تعمیری بھی، ملاحظہ فرمائیں مولانا کی حمد کے یہ اشعار کتنے دلچسپ اور کیف آور ہیں۔

جو کلی میں حسن کا نور ہے، جو صبا میں کیف و سرور ہے
تری شان کا یہ ظہور ہے، تری شان کتنی عظیم ہے
یہ چمن کا سبزۂ دل رُبا، یہ گلوں کو نکہت جاں فزا
تری بارگاہ سے ہوئی عطا، تری شان کتنی عظیم ہے

مولانا علی حسن فہمی کے یہ نعتیہ اشعار بھی کیف ونشاط کا سامان فراہم کرتے ہیں:

کمالات میں آپ اکمل ہیں سب میں
نظیف السیر اور جمیل الشیم ہیں
صدقے میں محمد کے یہ قرآن ملا ہے
بے شک ہمیں گنجینۂ ایمان ملا ہے
یہ عالم جس کے نور لم یزل سے جگمگاتا ہے
وہ ذات منبع نور ہدایت ہے مدینے میں

مولانا علی حسن مرحوم کا پورا چمن شعری، اسی طرح کے پھولوں سے مہک رہا ہے، امید ہے کہ مولانا کا یہ ''مجموعۂ کلام'' دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اس سے نسلیں مستفید و مستفیض ہوں گی، میں مولانا کے کلام کو شائع کرنے والوں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

والسلام

ڈاکٹر تابش مہدی
جی ۵/اے، ابوالفضل انکلیو
نئی دہلی: ۱۱۰۰۲۵

کلامِ فہمی پر ایک نظر

غالب نے کہا تھا ع

شہرت شعرم بہ گیتی بعد من

اور تاریخ شاہد ہے کہ غالب کو حقیقی شہرت مرنے کے بعد نصیب ہوئی، ناقدروں کی اس بستی میں، جسے دنیا کہتے ہیں۔ ایک فنکار کی عظمت و شہرت کا آفتاب عام طور سے اس وقت طلوع ہوتا ہے، جب اس کا آفتاب حیات غروب ہو جاتا ہے، اس کی بڑائی کا احساس لوگوں کو اس کے مرنے کے بعد ہوتا ہے، گویا دنیا کی آنکھیں، اس وقت کھلتی ہیں، جب ابدی نیند کے جھونکوں سے، صاحب فن کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہیں۔

فہمی ایک مستند و معتبر شاعر تھے، اگر وہ شہرت کے طالب ہوتے، غزل کو اپنا میدان بناتے، گل و بلبل اور لب و رخسار کے افسانے سناتے، دھڑے بندیوں کے قائل ہوتے، مشاعروں میں لہک لہک کر پڑھتے تو آسمانِ شہرت پر ستارہ بن کر چمکتے، لیکن انہوں نے گمنامی کی زندگی پسند کی اور گوشۂ تنہائی میں مشق سخن کی، انہوں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی، اور اصلاح و تبلیغ اور علم و تعلیم کا میدان اپنایا اور ساری زندگی اسی میں صرف کر دی، وہ ان شاعروں کی صف اول کے نمایاں فرد تھے، جنھیں بارگاہِ رسالت سے تلامیذ الرحمٰن کا خطاب مرحمت فرمایا ہے۔

فہمی کی شاعرانہ صلاحیتیں وہبی تھیں، جنہوں نے وقت کے ساتھ جلا پائی، انہوں نے کسب و مشق سے شاعری کا ہنر حاصل کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بڑی بے ساختگی اور برجستگی پائی جاتی ہے، ان کے پیمانۂ شعر میں کشید کی ہوئی، شراب کا ایک قطرہ نہیں ملتا، ان کا ہر جام رنگیں، اس شراب سے لبریز ہے جو خوشۂ انگور سے اپنے آپ ٹپکتی ہے،

یہاں آمد ہی آمد ہے، ان کا اندازِ بیاں دلکش اور زبان سادہ اور پر اثر ہے، شاعری میں مقصدیت اور حسن بیان کی کمی محسوس ہوتی ہو لیکن وہ مقصدیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتے۔

فہمی نے پچپن سال کی عمر میں وفات پائی، یہ عمر خود آگہی، خود شناسی اور خود احتسابی کی عمر ہوتی ہے، اس عمر میں باہر کی آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں اور اندر کی آنکھیں کھلنے لگتی ہیں، چشم دل اور روشن ہو جاتی ہے اور آدمی عرفان نفس کے راستے، عرفان رب کی منزل تک پہنچ جاتا ہے، شاعر دیدہ ور اور صاحب نظر ہوتا ہے، فہمی بھی ایک شاعر تھے، انہوں نے حقائق حیات کا مشاہدہ کیا تھا، زندگی کی جلتی ہوئی حقیقتوں کو اپنی انگلیوں سے چھوکر دیکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہمیں فہمی کے کلام میں زندگی کی گہری بصیرتوں کا ادراک اور احساس ہوتا ہے، فہمی نے اپنے دامن حیات میں زندگی کے جن تجربات کو سمیٹا تھا، انہی کو لفظ و بیان کی مدد سے انہوں نے اشعار کے پیکر میں ڈھال دیا۔

دنیا نے تجربات و حوادث کے روپ میں
جو کچھ مجھے دیا تھا وہ لوٹا رہا ہوں میں

اگر فہمی کچھ سال اور زندہ رہتے، تو ان کی شاعری اپنی بلندیوں کو چھو لیتی، افسوس؛ اردو ایک اچھے شاعر سے محروم ہوگئی۔

''شمع فروزاں'' فہمی کا پہلا ''مجموعۂ کلام'' ہے جو ان کے انتقال کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے، وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں، کیونکہ شمع فروزاں میں ان کی ایک بھی غزل شامل نہیں ہے، حالانکہ شاعر عام طور سے اپنی شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کرتا ہے، ہاں نعتیں اچھی خاصی ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ فہمی کو نعتیہ کلام کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی، نعت گوئی بہت مشکل کام ہے، قلم کی ذرا سی لغزش آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، فہمی

کی نعتیں ان کی احتیاط پسندی کی آئینہ دار ہیں اور نعت کے مقررہ معیاروں پر پوری اترتی ہیں۔

فہمی کا کمال سخن یہ ہے، کہ وہ ایک معمولی عنوان لیتے ہیں اور بڑی چابکدستی سے پوری نظم تیار کردیتے ہیں: نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

جو گلوں میں رنگ و جمال ہے، ترے وصفِ کن کا کمال ہے
ترے ماسوا یہ محال ہے، تری شان کتنی عظیم ہے
یہ نوائے بلبل گلستاں، یہ اذانِ طائر خوش بیاں
یہ ترے ہنر کی ہیں خوبیاں، تری شان کتنی عظیم ہے

حمد باری تعالیٰ

ان کے دربار میں اشکوں کی بڑی قیمت ہے
وہ شہنشاہ ہیں ناداروں کے غم سنتے ہیں
نعت احمد میں خدا نے یہ اثر رکھا ہے
کلمہ پڑھتے ہیں جو پتھر کے صنم سنتے ہیں

نعت شریف

تو اگر چاہے تو ذرے کو بیاباں کردے
قطرۂ آب تنک مایہ کو طوفاں کردے
پیکر صدق و صفا ہم کو بنادے یا رب
اے خدا ہم کو حقیقت میں مسلماں کردے

دعا

سعید تابش (ایم،اے)
ریٹائرڈ لیکچرار، اسلامیہ انٹر کالج لکھنؤ
حال استاذ انگریزی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پیغامِ مفتاح العلوم

مال وزر کی ہورہی ہیں ہر گھڑی قربانیاں
پیکرِ ایثار ہیں ارکان مفتاح العلوم
پھیل جائے تیرے فضل بے کراں سے اے خدا
ہر طرف بوئے گل ریحان مفتاح العلوم
مشعل نورِ ہدایت جگمگاتی یہاں رہے
بس رہی ہے اے خدا امان مفتاح العلوم
آسماں پر جھلملائے ماہ وانجم کی طرح
پندرہ ہیں حافظ قرآن مفتاح العلوم
عطر گلہائے تقدس سے یہاں پر ہر گھڑی
ہیں مہکتے جمعہ فرزندان مفتاح العلوم
تشنگانِ شربت عرفاں ادھر آئیں ادھر
ہے یہاں پر چشمۂ فیضان مفتاح العلوم
بدعت وفسق وفجور وشرک سے عاصی بچو
ہے مسلمانوں یہی فرمان مفتاح العلوم

☆☆☆☆

ترانۂ مفتاح العلوم

یہ درس گہ اسلامی ہے مفتاح علوم دین ہے یہ
ہم سب کیلئے ایک نعمتِ حق مفتاح علوم دین ہے یہ
تبلیغ و اشاعت کا مرکز ارباب حقیقت کا مخزن
ہر ایک کو خوشبو دیتا ہے فیضانِ نبی کا یہ گلشن

یہ مدرسہ اسلامی ہے، یہ درس گہ ایمانی ہے
اس منبعِ نور کی ہر جانب ضوباری وضوفشانی ہے
گنجینۂ علم وحکمت آ کر یہ گنج مرادآباد میں ہے
سرچشمۂ نور ونکہت اک یہ گنج مرادآباد میں

جوخواب تھے فضل رحماں کا اس کی ہی حسیں تعبیر ہے یہ
واللہ اشاعتِ حق کی یہاں پاکیزہ سی تنویر ہے یہ
یہ معدن فضل رحماں ہے یہ مخزن علم وعرفاں ہے
ذکر خدا ہر لمحہ یہاں اور درس حدیث وقرآں ہے

ہے بارش انوار رحمت، ہر لمحہ یہاں ہر لحظہ یہاں
ہر آن سرور وفرحت ہے پرکیف ہے گوشہ گوشہ یہاں
جو طالب یہاں کا ہے ایک شیر ہے بیشہ سنت کا
جو بھی ہے یہاں سے وابستہ دشمن ہے وہ شرکت وبدعت کا

حفاظ ہوں عالم یا طلباء یا اس کے معاون یا ناظم
اپنے کو سمجھتے ہیں سب ہی ملت کا اک ادنیٰ سا خادم

ہے مہتمم فاضل کا عجب بے مثل سا حسن تربیت
اس واسطے اہل ایماں میں اس کی ہے بہت اہمیت

یہ منظر فیض روحانی ہے مقصد کیف انسانی
سرشار مئے عشق احمدؐ ہم سب ہیں بفضل رحمانی

ہم دل سے رفیق اس کے بن کر کچھ زاد راہ عقبیٰ کر لیں
دامے درمے سخنے امداد و تعاون اس کو دیں

☆☆☆☆☆

منظوم خراج عقیدت

برانتقال: حضرت مولانا علی حسن فہمی صاحب نور اللہ مرقدہ
ناظم مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد، یوپی

<u>از: مولانا شمس الدین مظاہری پرتاپ گڈھی</u>

علوم و معرفت کے جام چھلکاتے ہوئے پہنچے
کہ وہ تعلیم قرآن عام فرماتے ہوئے پہنچے
پہنچنا لازمی تھا ان کا اس دربار عالی میں
حسن ظاہر ہوئے اس جا کہ خاص و عام پہنچے
مکمل زندگی مصروف تھی تعلیم قرآن میں
کرامت یوم بچپن میں وہ حفظِ تام کو پہنچے
نمونے ہر طرف ان کے ستاروں کی طرح بکھرے
حرا کی روشنی لے کر وہ صبح و شام تک پہنچے
حصولِ ایمان تقویٰ اور طہارت زندگی کامل
الٰہی ہر بشر اس کام سے اس گام تک پہنچے
خدایا گنج مرادآباد سے ایسی فضا مہکے
یمن سے کوفہ بصرہ اور ملک شام تک پہنچے
اکیلا آدمی بن کر بناتا ہے ہزاروں کو
بس اس انداز سے انجم سراپا کام تک پہنچے

☆☆☆☆☆

عاصی سے فہمی تخلص کیسے ہوا؟

عاصی تخلص تبدیل کرکے فہمی کے تخلص کا پس منظر

مولاناؒ کوصاف ستھرا شعروشاعری کا ذوق تھا،وہ اچھی شاعری کے مالک تھے،موصوف ابتدائی دور میں لکھی گئیں نظموں وغیرہ کیساتھ عاصی تخلص استعمال کرتے تھے ،مطالعہ کے دوران ایک حدیث پر نگاہ جمی ،کہ ایک شخص کا نام عاصی تھا،حضور اکرم ﷺ نے نام بدل دیا ،بایں وجہ عاصی تخلص تبدیل کرکے فہمی تخلص کا استعمال شروع کردیا ،شمعِ فروزاں میں اسی نا م سے نظمیں لکھیں ہیں۔مختلف احادیث میں حضور اکرم ﷺ کے ارشادات وفرمودات ناموں کے تبدیل کرنے کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

وعن بشیر بن میمون ،عن عمه اسامةبن اخدری،اَن رجلایقال له اصرم قال:بل انت زرعة.رواه ابوداود.وقال:وغیرالنبی ﷺ اسم العاصِ،وعزیز،وعتلة........وقال ترکت اسانیدهاللاِختصار.[مرقاةالمفاتیح: ۲۵/۹ .۲۶،کتاب الاداب/باب الاسامی،مکتبه اشرفی دیوبند]

آخر میں ابوداودؒ نے حضور اکرم ﷺ کیطرف سے جن ناموں کے بدلے جانے کا ذکر کیاہے،ان میں عاص،عاصی کا مخفف ہے،یہ نام لفظی مفہوم کے اعتبار سے،عصیان وسرکشی،عدمِ اطاعت اورنافرمانی پر دلالت کرتاہے؛جب کہ مومن کی خصوصیت اطاعت و فرماں برداری ہے،اس لیے کسی مومن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ عاصی یاعاصیہ نام رکھے۔[مظاہر حق جدید:۳۸۲/۴،دارالاشاعت کراچی]

قال:ولم يكن اسلم احد من عصاة قريش،غير مطيع،كان اسمه العاصی،فسماه رسول الله ﷺ مطیعاً[صحيح مسلم/۲، ۱۴، کتاب الجهادوالسير،باب لایقتل قرشی صبراً بعد الفتح.رقم الحدیث ۸۹]

مرتب:
محمد جنید قاسمی

بارگاہِ رسالت مآب میں نعت پاک

از علی حسن

تو بشیر ہے تو نذیر ہے تیری شان کتنی بلند ہے
تو سراپا بدر منیر ہے تیری شان کتنی بلند ہے
تو شفیع ہے تو شفیق ہے تو ندیم ہے تو رفیق ہے
تو حبیب ہے تو خلیق ہے تیری شان کتنی بلند ہے
تیری ذات ذاتِ حلیم ہے تیرا خلق خلق عظیم ہے
تیرا فیض فیض عمیم ہے تیری شان کتنی بلند ہے
تیری ذات باعث کُن فکاں، تیر نور مبدل کل جہاں
تیرا وصف افضل مرسلاں تیری شان کتنی بلند ہے
نہ زمین ہوتی نہ آسماں، نہ نظام شمس نہ کن فکاں
جو نہ ہوتا نور شہ شہاں، تیری شان کتنی بلند ہے
جو جبین یوسف میں تھا جمال، جو کلیم طور میں تھا جلال
یہ تیرے ہی فیض کا تھا کمال تیری شان کتنی بلند ہے
تیری ذات شمس ضحیٰ بھی ہے تیری ذات بدر دجیٰ بھی ہے
تو جمالِ ارض و سما بھی ہے تیری شان کتنی بلند ہے
یہ چمن کے دلکش حسیں شجر، یہ کلی یہ پھول سبھی ثمر
تیرے فیض سے یہ ہیں تر بتر تیری شان کتنی بلند ہے
تیری سیر ارض سے تافلک، فلک سے عرش بریں تلک
یہ عروج خاص ہے آپ تک، تری شان کتنی بلند ہے

تیری نعت فہمیؔ کی ہے دوا، تیرا ذکر اس کے لیے شفا
اور درود روح کی ہے غذا تیری شان کتنی بلند ہے

حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نام عاصی تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا تھا، نام بدل دیا تھا، بایں وجہ میں عاصیؔ تخلص بدل کر فہمیؔ تخلص کرتا ہوں۔ (مظاہر حق جدید ۴/۳۸۲)

علی حسن غفرلہ

تنبیہ

غائب کے لیے حاضر کے الفاظ باب عشق میں جائز ہے اور عقیدۂ حاضر وناظر کے ساتھ شرک ہے جو حرام ہے۔

☆☆☆☆

مناجات

خدایا گنہ گار بندہ منم
بہ بخشا کہ بد کردہ بندہ منم

ہستم بحر گناہاں غریق
بیند آخرت شیطان مرا بد طریق

خدایا بحر گناہاں برا رستہ
رحیما مرا راہِ شیطاں میرا

قلم بگرداں بکارہائے زشت
بپالائے قلم بکارہائے زشت

بہ نیکی گنہ را مبدل کن
و بر من گنہ گار بخشش بکن

من آشفتہ آمد بدرگاہتم
من امید دارم کہ آمرزیم

کسے را نہ دانی بدرگاہِ خویش
مراہم مگر داں بدرگاہِ خویش

در عالم بخیرم بدار اے رحیم
و عقبٰی بخیرم بدار اے کریم

خدایا بجز تو خطا بخش نیست
و غیر از تو شنوندہ فریاد نیست

بصدقہ محمد توجہ بکن
پذیرائی دعواتِ عاصی پذیراں کن

حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی، حضرت بے تکلف شاعر تھے اور اکثر نعتیں نظمیں اردو میں تھیں، لیکن حضرت کا ایک قلمی نسخہ ''کاپی تقریر در سیرت پاک'' ص: ۱ پر فارسی میں ایک شاندار مناجات مقبول درج ہے، گویا کہ ایک نادر مناجات پیش خدمت ہے۔

☆☆☆☆

نعت شریف
تمنائے دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم

از: علی حسن مدرسہ مفتاح العلوم

تمنا ہے کہ اک شیٔ پسندیدہ بنا لاؤں
گل راہ نبی کا کاجل دیدہ بنا لاؤں

الٰہی فضل سے تو بازوئے پرواز ہم کو دے
کہ اپنے کو مدینے سے پرہیزندہ بنا لاؤں

بدل دے تو خدایا بعد طیبہ کو قریبی سے
کہ اپنے کو کسی لائق میں اک بندہ بنا لاؤں

دل مضطر ہے مشتاق لقائے احمد مرسل
تمنا ہے دل مضطر کو میں خندہ بنا لاؤں

وہ نور لم یزل جس سے منور سارا عالم ہے
تمنا ہے جبیں کو اس سے تابندہ بنا لاؤں

مدینے میں خدایا بدرِ رحمت جلوہ افگن ہے
تمنا ہے کہ دل کو درخشندہ بنا لاؤں

معاصی سے الٰہی گوشِ دل بہرے ہوئے میرے
تمنا ہے کہ گوش دل کو شنوندہ بنا لاؤں

الٰہی چشمہائے دل بھی دونوں ہو گئے اعمٰی
تمنا ہے کہ چشم دل کو بینندہ بنا لاؤں

زمانے کے حوادث ہر گھڑی سرکوب رہتے ہیں
تمنا ہے کہ اپنے کو شکیبیدہ بنا لاؤں

الٰہی ظلمت عصیاں سے ہے تاریک یہ عاصی
تمنا ہے اسے طیبہ سے رخشندہ بنا لاؤں

سلام
بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

علی حسن قاسمی غفرلہ

عالم کے رہنما سے میرا سلام کہنا — غم خوارِ غمزدہ سے میرا سلام کہنا
طیبہ کو جانے والے پروانۂ عقیدت — اس شمع پر ضیاء سے میرا سلام کہنا
یثرب کو جانے والے اے زائرِ مدینہ — ختم پیغمبراں سے میرا سلام کہنا
بادِ صبا اگر ہو تمہارا گزر حرم سے — محبوب کبریا سے میرا سلام کہنا
فطرت کے صاف ظاہر صادق ہیں فرشتوں — سردارِ انبیاء سے میرا سلام کہنا
زیرِ قدم ہیں جس کے قدرت کے جملہ نقشے — اس حاکم امور سے میرا سلام کہنا
عرش بریں ہے جس تخت قدم فرشتوں — اس شاہِ دو جہاں سے میرا سلام کہنا
خلد بریں سے افضل صحن چمن ہے جس کا — اس فضل بے کراں سے میرا سلام کہنا
شمس وقمر جس کے روزِ ازل سے تاباں — اس پیکر ضیاء سے میرا سلام کہنا
مدح وثنا ہے جس کی حد بیاں سے باہر — اس معجز البیاں سے میرا سلام کہنا
محشر میں ہوگا جس کا کامل سہارا عاصی — اس شافع الوریٰ سے میرا سلام کہنا
رحمت کا دریا جاری جس کے درِ کرم سے — اس رحمت جہاں سے میرا سلام کہنا

☆☆☆☆

ترانۂ مفتاح العلوم

از: علی حسن قاسمی مدرسہ مفتاح العلوم گنج مراد آباد

ہم تشنۂ دین کو قدرت نے بخشا ہے یہاں مفتاح العلوم
ظلمت میں بھٹکتے راہی یہاں پاتے ہیں ضیاء ماہ و نجوم
جس گیت سے کلیاں مہکی ہیں وہ گیت یہاں ہم گاتے ہیں
ہر برگِ گلِ گلشن سے یہیں ایمان سی بو ہم پاتے ہیں
ہم گلشن دین کے غنچے ہیں، ہر شاخ گلستاں ہم سے حسیں
ہم ناز رحمت شمس و قمر، ہر نجم درخشاں ہم سے حسیں
چلتی ہے ہمارے گلشن سے ہر صبح شمیم انگیز نسیم
عالم میں یہاں سے پھیلے گی ہر صبح نشاط انگیز شمیم
ہر طالب دیں کے سینے میں ابواب شریعت کھلتے ہیں
فیضانِ علوم احمد سے اسرارِ طریقت کھلتے ہیں
ہم رونق بزم اہل سخن ہم نطق زباں اہل یہاں
ہم مشعل دیں ہم نور یقیں، تابانیٔ دیں ہے ہم سے عیاں
ہر مست مئے توحید یہاں ملت کا درخشاں ہے تارا
ہم تابش دین احمد سے ہر ذرہ یہاں کا مہ پارا

ہم ماحیِ ظلم و جور و جفا ہے عدل ہمارے دل میں مکیں
ہم مرہم دردِ جرحِ نہاں ہم آہِ دلِ مظلوم و حزیں

پیتے ہیں شرابِ عرفاں کا ہم روز چھلکتا جام یہاں
ہم بزمِ جنوں کے مستانے کردیں گے بلند اسلام یہاں

جو شجر یقیں یاں پھیلا ہے تا حد نظر یہ پھیلے گا
جو نورِ عمل یاں چھلکا ہے تا حد نظر یہ چمکے گا

اے خالقِ عرش و ارض و سما برساتا رہے یاں ابر کرم
اللہ سدا عاصی سے رہے، شاداب ترا یہ شجر کرم

☆☆☆☆

نظم

بہارِ رمضان المبارک

ازقلم: علی حسن مدرس مدرسہ مفتاح العلوم

بہارِ باغ رحمت لے کے آیا ماہ رمضانی
سراپا خیر و برکت بن کے آیا ماہ رمضانی

یہ رمضاں جس کے آغوش چمن میں پھول کھلتے ہیں
یہ اپنے چاہنے والوں پہ کرتا ہے گلستانی

یہ رمضان المبارک جو فدائے روح مومن ہے
کہ مومن اس سے طے کرلیتے ہیں درجات روحانی

یہ رمضاں جو سراپا خیر ہے برکت ہے رحمت ہے
گریزاں اس سے رہتے ہیں فریب وفکر شیطانی

یہ رمضان المعظم قاسم انعام یزداں ہے
لگاتا ہے یہ روزے داروں پہ انعام یزدانی

یہ رمضان المکرّم چشمۂ انوار رحمت ہے
بنا دیتا ہے اپنے چاہنے والوں کو نورانی

یہ رمضاں جس کی برکت کا بیاں ہو ہی نہیں سکتا
سراپا مغفرت ہے سراپا فضل ربانی

فضیلت اس مہینے کی بیاں کر ہی نہیں سکتا
فقط حاصل یہ ہے رضاء ذات سبحانی

تضرع عاجزی گریہ سے تو یہ تم کرو عاصیؔ
بشارت مغفرت کی دیتا ہے یہ ماہ رمضانی

اگر بن کر نصوحہ توبہ استغفار کرلو گے
تو لے لیگا ضمانت مغفرت کی ماہ رمضانی

ذرا چشم بصیرت روزہ داروں کی طرف ڈالو
شگفتہ چہرے ان کے ہیں دل بیدار ربانی

☆☆☆☆

نعت شریف

برستی ہر طرف رحمت ہی رحمت ہے مدینے میں — جدھر دیکھو خدا کی شانِ قدرت ہے مدینے میں
ہوئے شمس و قمر فرش بریں جس کے — وہ سرتاج کمالاتِ رسالت ہے مدینے میں
یہ عالم جس کے نورلم یزل سے جگمگاتا ہے — وہ ذاتِ شمع نور ہدایت ہے مدینے میں
میرے ہادی و منجی ہیں مکین گنبد خضریٰ — میرے دل کی تمنا اور حسرت ہے مدینے میں
بکھاری اس کے در لوٹ کے خالی نہیں آتا — کیا شانِ عنایات وسخات ہے مدینے میں
کوئی اس کے درِ دولت سے تشنہ لب نہیں ہوتا — کیا ذرہ نوازی وضیا تاب ہے مدینے میں
بہشتی عطر میں نکہت وہ حوروں کو نہیں ملتی — جو سرتاپا مہکتے گل کی نکہت ہے مدینے میں
خدا نے جسکے صدقے کردیئے شمس وقمر روشن — وہ ذات صاحب لولاک ہے مدینے میں
خدا محشر میں جسکے صدقے بخشے گا تجھے عاصی — وہ ذات شافع وختم رسالت ہے مدینے میں

☆☆☆☆

نظم

از: ڈاکٹر رفیق احمد صاحب بلگرامی ہردوئی

ہو رہا جاری ہے ایک فیضانِ مفتاح العلوم
کیا بتاؤں تم کو کیا ہے شانِ مفتاح العلوم

روشنی علم سے سب ہو رہے ہیں فیضیاب
ہے علاقہ پر یہ اک احسانِ مفتاح العلوم

کر رہا زینہ بزینہ ہے ترقی رات دن
توشۂ اخلاص ہے سامانِ مفتاح العلوم

ہو رہی دام و درم اور ہیں سخن سے خدمتیں
ہیں سبھی دیندار ہی ارکانِ مفتاح العلوم

ہو مخالف یا معاون سب پہ ہے چشم کرم
ہے کشادہ کس قدر دامانِ مفتاح العلوم

ہیں خلیلؔ اکرامؔ اور جاویدؔ اور حضرت حسنؔ
محترم ہیں ہستیاں ہیں جہانِ مفتاح العلوم

فائدہ ہم سبھی حاصل کریں دل سے رفیقؔ
گرچہ ہو جائے قیمتی عرفانِ مفتاح العلوم

☆☆☆☆

نظم

مدرسہ یہ ہمارا گلشن علم رسالت ہے
یہاں پر بلبل علم رسالت اڑ کر آتے ہیں
یہ ہے علم نبوت کی شمع جل کر چمکتی ہے
یہاں علم نبوت کے سبھی پروانے آتے ہیں
یہ ہے علم نبی کا خود روشن جلوہ اس پر ہے
یہاں پر موسیٰ علم رسالت چل کے آتے ہیں
یہ علم نبی کا بدر کامل جلوہ فگن ہے
چمکنے کو یہاں ظلمت زدہ افراد آتے ہیں
علوم احمدیؐ کا چشمہ زمزم یہ جاری ہے
یہاں علم نبی کے تشنۂ اسماعیل آتے ہیں

☆☆☆☆

ترانۂ مدرسہ مفتاح العلوم

از: حکیم عزیزاللہ

کتنا پیارا مدرسہ ہمارا ہے یہ　　ہر مسلماں کی آنکھوں کا تارا ہے یہ
شرک وبدعت کا اس میں ہے شعبہ نہیں　　بارش علم نبوی کا دھارا ہے یہ
غوطہ زنِ عصیاں میں مومن جو تھے　　درحقیقت انہیں کا کنارہ ہے یہ
بے بسوں کیلئے بیکسوں کے لیے　　انکا ہمدرد و حامی ادارہ ہے یہ
جو تھے بھٹکے ہوئے راہِ حق سے سدا　　ایسے لوگوں کا رہبر ادارہ ہے یہ
پیاس اپنی بجھا لو بڑھو تشنہ لب　　ملت دینِ بیضا کا دھارا ہے یہ
بابِ دار العمل علم وحکمت کا گھر　　یعنی سنت کا روشن ستارا ہے یہ
کفر کی چھاؤں میں آج بھی دیکھ لو　　کلمۂ لا الٰہ کا منارا ہے یہ
اہل بستی کا ہر فرد مسرور ہے　　ان کی خدمت کا روشن ستارہ ہے یہ

بس خدا سے دعا اک یہی ہے عزیز
تا قیامت رہے جو ادارہ ہے یہ

☆☆☆☆

ترانۂ مفتاح العلوم

نوشتۂ تحریر: علامہ عرفی صاحب

پیتے ہیں شراب وحدت کا ہر روز یہاں ہم پیمانہ
بس ساقئ کوثر کے صدقے آباد رہے یہ میخانہ
ملتی ہے ہر اک ذرے کو یہاں تابائ مہر و ماہ و نجوم
اس درس گہ اسلامی میں کہتے ہیں جسے مفتاح علوم
ہم درس اخوت لیتے ہیں، ہر صبح یہاں ہر شام یہاں
تفریق و تنفر کا کوئی لیتا ہی نہیں ہے نام یہاں
ہم عزم وعمل کے مستانے ہم علم و ادب کے دیوانے
خود آگ میں اپنی جلتے ہیں ہم شمع وفا کے پروانے
ہم دشمن جور و ظلم و ستم ہم مہر و وفا کے شیدائی
لیلائے محبت کے ہم ہیں اے گردش دوراں ہودوائی
توحید کی روشن کرنوں کی تنویر ہمارے سینوں میں
احکام رسول اکرم کی توقیر ہمارے سینوں میں
باطل کے گھنے اندھیاروں کو انوار تجلی کرتا ہے
پامال ستم ذروں کو ہمیں ہم دوش ثریا کرتا ہے
اوہام کے بت ہم توڑیں گے فرمانِ یقین محکم ہے

ہم ٹوٹے دلوں کو جوڑیں گے الطاف وکرم کے مرہم سے
ہم اپنے وطن کی دھرتی کو زرخیز وگلفشاں کردیں گے
ہر شام غریباں کو ایک دن ہم صبح بہاراں کردیں گے
ہم کرکے حصول علم دیں معمار جہاں بن جائیں گے
ہم قوم کے بھٹکے راہی کی منزل کا نشاں بن جائیں گے
پھر سیف قلم سے بدلیں گے تقدیرِ جہاں ان شاء اللہ
پھر دشت وجبل میں گونجے گی آوازِ اذاں ان شاء اللہ
دنیا تو سرائے فانی ہے دنیا کی نہیں پرواہ ہمیں
رکھتے ہیں عزیز اللہ کو ہم رکھے گا عزیز اللہ ہمیں
پہنچے گی صدائے دل اپنی اس بارگہ سبحانی میں
جب گائیں گے نغمہ عرفیؔ کا اس انجمن عرفانی میں

مخطوطہ قلمی: ۲۱/۲۲

ضروری وضاحت: مرحوم عرفی گنج مرادآباد کے انتقال کے بعد دو مجموعے ڈاکٹر طٰہٰ صاحب نے شائع کیے، ان دونوں میں یہ ترانہ موجود نہیں ہے، دوسرے شواہد سے معلوم ہوتا ہے یہ ترانہ عرفی صاحب نے لکھ کر بدست حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کو عنایت فرمایا تھا، اسی ''مخطوطہ قلمی'' کے آخر میں الگ سے ایک پرچہ پر یہ ترانہ مولانا محمد عرفان صاحب ندویؒ کے قلم سے لکھا ہوا ہے، اس میں لکھا ہے ''شاعر عرفانی میاں گنج مرادآباد ضلع اناؤ'' علامہ عرفی کے دونوں مجموعے ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ (مرتب)

تذکرۂ عرفی

عرفی صاحب کی پیدائش ۲/۱اکتوبر ۱۹۲۶ءکو میرٹھ میں ہوئی تھی، عرفی صاحب تین بھائی اور ایک بہن تھے، بڑے بھائی جناب ظہورالحق رحمانی جن کا انتقال ہو چکا ہے، چھوٹے بھائی مجیب صدیقی جو آل انڈیا ریڈیو پر اردو سروس کے ڈائریکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہو کر الہ آباد میں مستقل سکونت اختیار کیے ہوئے ہیں، ایک بہن شکیلہ باجی جو اناؤ میں ہی قیام پذیر ہیں۔

عرفی صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، اس کے بعد میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ میں تعلیم مکمل کی، اور اسی مدرسہ سے عالم کی سند حاصل کی، اس کے بعد امروہہ میں قاری سبط حسن فاروقی صاحب سے شرف تلمذ حاصل رہا، تقسیم ہند کے بعد عرفی صاحب کے دادھیال کے اکثر اعزاء پاکستان کو ہجرت کر گئے، عرفی صاحب کے والد محترم کا انتقال ہو چکا تھا، والدہ محترمہ نے فرمایا کہ میں پاکستان نہیں جاؤں گی، مگر میرٹھ میں کوئی ایسا نہ دکھا جس کے سہارے اپنے چاروں بچوں کو لے کر جی سکیں، اس بناء پر فیصلہ یہ کیا گیا کہ مائیکے چل کر مستقل وہیں قیام کیا جائے، ۱۹۴۸ء میں عرفی صاحب کی والدہ اپنے بچوں کے ہمراہ گنج مرادآباد ضلع اناؤ تشریف لے آئیں، ننہال کی طرف سے بھی عرفی صاحب کو بڑا مقام حاصل تھا، عرفی صاحب کے نانا سید عبداللطیف صاحب جو حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے سگے نواسے تھے، عرفی صاحب کا نکاح سیدہ غزالہ کے ہمراہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا، اولاد نرینہ میں صرف ایک بیٹی صنم صدیقی ہے۔

گنج مرادآباد سے عرفی صاحب نے ہجرت کر کے اناؤ میں ہی مستقل سکونت اختیار

کرلی تھی، جو میرے لیے بہت نیک فال ثابت ہوئی، عرفی صاحب کی خدمت میں مستقل حاضری ہوتی رہی، جو میرے لیے بہت ہی زیادہ نفع بخش ثابت ہوئی، عرفی صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا گیا، اناؤ آنے سے اناؤ میں شعری نشستوں کا سلسلہ بڑھ گیا، عمر کے ساتھ عرفی صاحب کی صحت بھی گرتی گئی مختلف قسم کے امراض نے عرفی صاحب کو گھیر لیا۔

امروز وفردا کا یہ حیرت خانہ بنانے والے معبود حقیقی نے ازل سے ہی تمام معاملات میں اپنی قدرت کو دخل دے دیا تھا، اور یہ فیصلہ کردیا تھا کہ جو اس جہانِ فانی میں آیا ہے وہ کسی نہ کسی بہانے واپس جائے گا، عرفی صاحب کی بیماری بڑھتی گئی اور یہی بیماری عرفی صاحب کے واپس جانے کا بہانہ بنی، بتاریخ ۶ رجون ۲۰۰۶ء کو عرفی صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علم و عمل کا یہ آفتاب اپنے تمام سوگواروں کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملا، اللہ پاک مرحوم کے رواں رواں کی مغفرت فرما کر اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین، پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ ایک بیٹی بھی ہے۔

بزم سے عرفیؔ اب ایسے اہل دل جانے کو ہیں
یاد جو آیا کریں گے عمر بھر جیسے کہ ہم

فیضان عرفی /۴۔۷
مرتبہ: ڈاکٹر طٰہٰ فاروقی
مطبوعہ: ۲۰۰۸ء
الہدیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی شیخ واڑہ، اناؤ
وسط اکتوبر ۲۰۱۸ء مطابق محرم ۱۴۴۰ھ

ڈاکٹر رفیق بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

جناب ڈاکٹر رفیق صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی، ڈاکٹر صاحب کسی ضرورت کے تحت مدرسہ میں آئے ہوئے تھے، راقم السطور نے مولانا کی تاریخِ وفات پر ایک نظم لکھنے کی فرمائش کی، موصوف محترم نے بخوشی اس کو قبول کیا، اور گھر پہنچ کر ایک ہفتہ کے بعد یہ نظم ارسال کردی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ڈاکٹر رفیق بلگرامی صاحب کہنہ مشق شاعری، سنجیدہ مزاج، بے تکلف لب ولہجہ کے مالک تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم بلگرام ہی میں حاصل کی، آپ ۱۱؍جون ۱۹۳۹ء کو قصبہ بلگرام ہی میں پیدا ہوئے۔

آپ کے اساتذہ: آپ نے اثر بلگرامی اور جوہر بلگرامی سے شعر وشاعری کی تعلیم حاصل کی، اور انھیں کے زیرِ سایہ رہ کر اپنے شعری سفر کا آغاز کیا مختلف عہدوں پر فائز رہے، اور ہندوستان اور پاکستان کے مشاعروں میں آپ کی شرکت بکثرت رہتی تھی۔

انتقال: ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۶؍مئی ۲۰۱۹ء بروز اتوار۔

راقم:

محمد جنید قاسمی

قطعۂ تاریخ بر وفات
حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمیؒ گنج مراد آباد

تاریخ وفات ۱۴۲۴ھ

خدانے آپ کو کتنی بڑی فضیلت دی
شعورِ علم دیا فہم اور فراست دی
سراپا پیکرِ اخلاص مولوی علی حسن صاحب
خدا نے آپ کو کچھ ایسی پاک طینت دی
تمام عمر بسر کی خدا پرستی میں
ہر ایک شخص کو دنیا میں حق کی دعوت دی
نوازا خلق و نوازش حیاء و غیرت سے
کہ حق نے ان کو وہ عزت و شرافت دی
ہر ایک حلقہ میں محبوبیت کا تاج ملا
شعورِ حق دیا حق نے انہیں بصیرت دی
مٹائیں کفر و ضلالت کی ظلمتیں یکسر
کہ بدعتوں کو مٹا کر رہِ ہدایت دی
علی حسن کی ہے یہ تاریخِ انتقال رفیقؔ
خدا نے ان کو زمانے میں کتنی عظمت دی
۱۴۲۴ھ

☆☆☆☆

حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی کے مکتوبات اورافادات کا

ایک نادر غیر مطبوعہ مکتوبات کا حصہ

مکتوبات علی حسن

یہ مکتوبات جو یہاں پیش کیے جارہے ہیں، حضرت مولانا کے اپنے طلباء سے ارادت واصلاح کی ایک کڑی ہے۔ حضرت مولانا علی حسن صاحبؒ کی سیرت وسوانح کے عنوان میں سے ایک اہم عنوان، اصلاح وتربیت اورقابل استعداد طلباء کی راہنمائی بھی ہے۔ یہ خطوط اس پہلو سے بہت قابل قدر اور لائقِ استفادہ ہیں، کہ ان میں طالب علم کے تئیں، مقصد میں یاددہانی، اور وقت کی پابندی، رذائل کی اصلاح کی جھلک ہی نہیں بلکہ؛ پورا سامانِ اصلاح موجود ہے۔ اِن خطوط سے شاگردوں سے محبت، علم دین کے حصول کی اہمیت کا واضح ثبوت ملتا ہے، تاہم اس بات کا شدید افسوس ہے کہ؛ بہت سا علمی ورثہ جو خطوط کی شکل میں مولانا کا تھا، ان کے ہی بہت سے شاگردوں نے ضائع کردیا، صرف معدودے حضرات ہی اپنے پاس محفوظ رکھ سکے۔

بہرحال! جوکچھ اور جیسا کچھ جمع ہوسکا، الگ الگ عناوین قائم کرکے بطور استفادہ لکھ دیا [مرتب: محمد جنید قاسمی]

اصلاحی اور علمی مکتوب

''مولانا کا ایک اصلاحی اور علمی مکتوب

(اس مکتوب کو پڑھ کر مولانا کی اپنی محبت وغیرت اور متانت و سنجیدگی، نیز قرآن وحدیث کی صحیح تشریح کا پتہ دیتی ہے، ذیل میں یہ گراں قدر اور نایاب تحریر پیش کی جاتی ہے، بعض دوسری تحریروں کے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ؛ یہ مکتوب ۱۹۸۱ء میں تحریر کیا گیا۔ (مرتب)

عزیزم ....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا لفافہ ملا، اصل جواب سے قبل ہماری چند معروضات پر غور کیجئے، اور خوب غور کیجئے، تمہاری جاہلانہ طرز تحریر اور انداز مخاطب پر از حد افسوس ہے، کہ جس باب میں تم نے اپنے اور مجنوں اور شیریں جیسے ناخداترس کے عشق ومحبت کو گھیرا، اسی باب میں تم نے حضرت یوسف علیہ السلام اور نبی پاک ﷺ جیسے خدا پرست پیغمبر کی محبت کو داخل کیا، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، جو شخص تمہارے عشق ومحبت پر حضرت یوسف علیہ السلام، نبی پاک ﷺ کی محبت کو قیاس کرے گا، وہ میرے نزدیک مسلمان نہیں ہے، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

مزید افسوس اس پر ہے؛ کہ تم نے اپنی محبت کو جائز قرار دیتے ہوئے ہم پر بطرز مناظرانہ اور مباحثانہ اعتراض کی بھرمار کردی، کہ اگر محبت ناجائز ہوتی تو حافظ مجنوں محبت کیوں کرتے؟ حضرت یوسف محبت کیوں کرتے؟ ایک صحابی محبت کیوں کرتے، حضرت موسیٰ تجلی سے محبت کیوں کرتے؟ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ سے محبت کیوں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

بڑی خیر ہوئی کہ: تم نے یہ نہیں کہہ دیا کہ اگر زنا ناجائز ہوتا تو ایک صحابیہ سے کیوں ہو جاتا (توبہ استغفر اللہ) واہ! کیا خوب ہے طرزِ استدلال، ہم نے ۱۰ رسال پڑھا ایسا طرزِ

استدلال نہیں آیا۔

عزیزم اگر چہ ہم تمہاری جیسی عشق ومحبت کی گھاٹیوں سے کبھی نہیں گذرے؛ لیکن عشق ومحبت کے اقسام اوراس کے حقائق ودقائق اوراحوال سے جتنی ہمیں واقفیت ہے، اس کی تمہیں ہوا بھی نہیں لگی ،تم مریض ضرور ہو؛ لیکن تم مرض کے اقسام اوراس کے اسباب اور احوال اور حقائق سے تم کبھی بھی آ گاہ نہیں ہو سکتے ،اس کو ڈاکٹر ہی خوب سمجھتا ہے، مریض کو صرف مرض کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتا، غور کرو کہ بخار کی چار قسمیں ہیں: (۱) حارہ (۲) باردہ (۳) شدیدہ (۴) مخففہ، ان میں سے شدیدہ بہت ہی خطرناک اورمہلک ہوتا ہے یہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے، اگر خدانخواستہ تمہارے شدیدہ بخار آجائے اور ڈاکٹر تمہارے علاج سے عاجز ہو جائے۔اورتم ڈاکٹر سے کہنا شروع کردو اور اعتراض پر اعتراض کرنے لگو کہ؛ واہ بھائی اگر بخار مہلک اور خطرناک ہوتا تو بھائی شمیم کے بھی تو آیا تھا، وہ کیوں اچھے ہوگئے ،اور کیوں نہیں ہلاک ہوئے ،حمید بھائی کیوں بچ گئے ،مشکور بھیا کیوں بچ گئے ،عزیزم! تمہیں صرف اتنا علم ہے کہ ہمیں بھی بخار آیا ہے، اور شمیم بھیا کے بھی بخار ہی تھا؛ لیکن تمہیں اس کا علم نہیں ہے؛ کہ ہمارا بخار کس قسم کا ہے، اوراس کے احوال وحقائق کیا ہیں؟ اور شمیم کے بخار کس قسم کا تھا اوراس کے احوال وحقائق کیا تھے؟ عزیزم بخار کے اقسام واحوال وغیرہ کو ڈاکٹر ہی خوب سمجھ سکتا ہے، تم ہرگز نہیں سمجھ سکتے ہو، اور نہ بغیر علم ڈاکٹر تم کو سمجھا سکتا ہے، اگر سمجھنا ہے تو علی گڈھ میں ۱۵ ر سال خراب کرو، ڈاکٹر صرف اتنی نصیحت کردے گا کہ تم اپنے بخار پر شمیم کے بخار کو مت قیاس کرو، وہ بخار اور تھا، تمہارا بخار اور ہے، بس اسی طریقہ سے میری نصیحت ہے، کہ اپنی محبت پر حضرت یوسف علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کی محبت کو قیاس کر کے اپنا ایمان مت کھوؤ، اس قسم کی بد اعتقادی کفر ہے، ایمان کا دار و مدار عقائد پر، ان پاک اور بے عیبوں کے اوصاف اور

کمالات اور اخلاق و عادات کو اپنے اوصاف و عادات پر مت قیاس کرو ان کی شان بہت اونچی ہے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گر چہ ماند در نوشتن شیر شیر
شیر آں باشد کہ مردم را خرد شیر آں باشد کہ مردم می خرد

ترجمہ: نیکوں کے عادات کو اپنے اوپر مت قیاس کر، اگر لکھاوٹ (تحریر) میں شیر اور شیر یکساں ہیں، شیر (درندہ) وہ ہے جو لوگوں کو پھاڑ کھاتا ہے، اور شیر (دودھ) وہ ہے جسے لوگ کھاتے ہیں۔

بہر حال! عشق و محبت کے اقسام و احوال اور حقائق و دقائق کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں کہ؛ حضرت یوسف علیہ السلام کا میلان زلیخہ کی طرف کیسا تھا؟ اور اس کے حقائق کیا تھے؟ اور حضور ﷺ کی محبت کے مصالح کیا تھے؟ تم ہرگز نبیوں کے اوصاف کے مصالح اور دقائق نہیں سمجھ سکتے ہو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر حضرت خضر علیہ السلام کے افتعال کے مصالح بغیر سمجھائے نہیں سمجھ سکے، تو تمہاری کیا مجال ہے، کہ بغیر علم کے ان کے مصالح سمجھ سکو، اگر سمجھنا ہے، تو ہماری طرح چودہ سال دار العلوم دیوبند جیسے مادر علمی میں اپنا وقت لگاؤ، ورنہ ہم سے جاہلانہ اعتراضات نہ کرتے کہ اگر محبت بری ہوتی تو یوسف علیہ السلام کیوں کرتے؟ حضور ﷺ کیوں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

گر اہل علم میں سے کسی نے مجھ سے یہ سوالات اور اعتراضات کیے ہوتے تو ہم اس کو اس کی لاعلمی پر شرمسار کرتے ہوئے ڈٹ کر جواب دیتے۔ اور ساتھ ہی محبت کی ان سات قسموں کے متعلق اس سے سوال بھی کرتا کہ؛ پہلے یہ بتلا دو کہ محبت طبعی کسے کہتے ہیں؟ محبت اختیاری کسے کہتے ہیں؟ محبت متعلق عن الھویٰ کسے کہتے ہیں؟ محبت متعلق عن الحشم کسے کہتے ہیں؟ محبت متعلق عن الحقوق کسے کہتے ہیں؟ محبت متعلق عن الذات کسے کہتے

ہیں؟ محبت متعلق عن الصفات کسے کہتے ہیں؟ اور یہ بھی سوال کرتا کہ بتاؤ، ان قسموں میں سے کون سی قسم محبت کی تم کولاحق ہوئی ہے، اور کون سی قسم اللہ کے پاک بندوں کولاحق ہوتی ہے، لیکن تمہارے جیسے علم سے نا آشنا شخص سے یہ سوالات کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے، اس لیے مذکورہ بالا سوالات تو کرتا نہیں، البتہ تمہارے اعتراضات کے جوابات ان شاء اللہ تعالیٰ سہل عنوان میں دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کروں گا، شاید کہ علم کے بغیر بھی سمجھ میں آجائے، کہ جس سے نبیوں کے بارے میں گستاخی سے باز رہو۔

تمہارا پہلا اعتراض ہے کہ: اگر محبت بری ہوتی، تو مجنوں اور شیریں محبت کیوں کرتے؟ عزیزم! مجنوں اور شیریں ہمارے تمہارے جیسے ایک عامی انسان تھے، کوئی نبی نہیں تھے، کہ غیر محرم اجنبیہ کے عشق کی بھنور میں پھنسنا محال تھا، اور اگر وہ پھنس گئے تو ان کا پھنسنا ہماری شریعت کے اندر غیر عورت سے عشق کرنے کے جواز پر دلیل اور حجت نہیں بن جائے گا، بے اختیار اور بغیر قصد وارادے کے اگر کسی کا دل کسی عورت کی طرف مائل ہو جائے تو یہ بے اختیاری دل کا مائل ہونا برا نہیں ہے، البتہ دل مائل ہوجانے کے بعد اب اس کے وصال اور دیدار کا قصداً ارادہ کرنا اور وصال کے لیے گلی کوچوں میں گھومنا اور گشت کرنا یہ حرام اور ناجائز ہے، خواہ بدکاری کا ارادہ ہو یا نہ ہو، مثال سے سمجھو۔

مثلاً جون اور جولائی کے رمضان شریف میں روزہ داروں کے سامنے، جب چار بجے پانی آجاتا ہے تو اس وقت کی شدت پیاس کی وجہ سے بے اختیار پانی کی طرف دل مائل ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ روزہ دار کو پانی پینا حرام ہے، اس لیے وہ پانی پینے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اگر پینے کا ارادہ کرلے گا تو وہ گنہگار ہوگا، غرضیکہ شدت پیاس کی وجہ سے پانی کی طرف صرف دل کا مائل ہونا برا نہیں ہے، البتہ پینے کا ارادہ کرنا برا اور ناجائز ہے۔ اب تم خود اپنا فیصلہ کرلو کہ تمہارے عشق اور میلان کا حاصل کیا ہے، آیا صرف میلان ہی ہے یا وصال کا ارادہ بھی ہے،

اگر صرف میلان ہی ہے، تو یہ میلان اختیاری ہے یا غیر اختیاری؟ اگر غیر اختیاری ہے، تو روزے دار کی طرح وصال کا ارادہ نہ کرو، اس پر ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ: اگر کسی بندہ کا دل بے اختیار اور بے ارادہ کسی برائی کی طرف مائل ہو گیا ہو، تو اگر وہ خدا کے خوف سے برائی کا ارادہ نہیں کرتا ہے، صبر کرتا ہے، تو اس کو ثواب ملتا ہے۔

عزیزم! اگر تمہارا دل بے اختیار اس کی طرف مائل ہو گیا ہے، تو صبر کرو اور وصال کا ارادہ ترک کردو، ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب پاؤ گے۔ اور اگر تم اپنے اختیار سے دل کو مائل کر کے بے قرار ہوئے ہو، تو اس کا بھگتان خدا کے یہاں بھگتنا ہوگا، اگر توبہ نہ کی۔

اختیاری میلان اسے کہتے ہیں کہ: ایک شخص کا دل کسی طرف مائل نہیں تھا؛ لیکن اپنے اختیار سے دل مائل کرنے کے لیے اور عشق کرنے کے لیے گلیوں اور سڑکوں پر گھومتا ہے، تا کہ کوئی لڑکی مل جائے، جس کو اپنے دام میں لے لوں، یہ میلان اختیاری ہے جو قطعی حرام ہے، تمہارا میلان ایسا ہی ہے، اگر کہو کہ ہمارا میلان ایسا نہیں ہے بلکہ بے اختیاری ہے، تو ہمیں تسلیم ہے لیکن پھر اس کے وصال کا ارادہ کیوں کرتے ہو، اور اس کے وصال کے لیے تعویذ کا چکر کیوں ہے، یہ بھی تو حرام اور ناجائز ہے۔

غرضیکہ میلان کی کل چار صورتیں ہیں جس میں سے صرف ایک صورت معاف ہے، اور باقی تین صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔

وہ چار صورتیں یہ ہیں:

(۱) میلان بے اختیاری ہو اور وصال کا ارادہ نہ رکھے...... یہ صورت معاف ہے۔

(۲) میلان بے اختیاری ہو اور وصال کا ارادہ رکھے...... یہ صورت ناجائز ہے۔

(۳) میلان اختیاری ہو اور وصال کا ارادہ نہ رکھے...... یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) میلان اختیاری ہو اور وصال کا ارادہ بھی رکھے...... یہ حرام و ناجائز ہے۔

مذکورہ بالا چار صورتوں میں سے صرف پہلی صورت معاف ہے، اور باقی تین صورتیں حرام ہیں۔

پہلی صورت کے اندر میلان غیر اختیاری جو انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اور ارادۂ وصال، جو اس کے اختیار میں تھا اس کو بھی اختیار نہیں کیا، اس لیے خدا نے اس کو معاف کیا، باقی تین صورتوں میں اگر میلان غیر اختیاری ہے تو ارادۂ وصال پایا جاتا ہے، جو اس کے اختیار میں ہے، اور اگر ارادۂ وصال نہیں ہے، تو میلان اختیاری ہے۔

غرضیکہ اختیار کسی ایک جانب؛ ان تینوں میں پایا گیا، اس وجہ سے یہ تینوں صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ روزہ دار کا میلان پہلی صورت کے مطابق ہے۔

بہر حال! جب کسی انسان کا کسی کی طرف عشقی میلان ہوتا ہے، تو چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوتی ہے جن میں سے صرف ایک صورت معاف ہے اور تین صورتیں ناجائز ہیں۔

دوسرا اعتراض: تمہارا یہ تھا کہ اگر محبت ناجائز ہوتی، تو حضرت یوسف علیہ السلام زلیخہ سے کیوں کرتے؟ عزیزم! اس کے جواب سے قبل پہلے چند باتیں سمجھ لو، یوسف علیہ السلام نبی ہیں اور نبی گناہ صغیرہ و کبیرہ سے بالکل پاک و صاف ہوتے ہیں، گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور معصوم اس کو کہتے ہیں: جس سے گناہ صادر ہونا محال ہو، گناہ کا صادر ہونا تو در کنار ان کے دلوں پر گناہ کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، ان کے دل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں یہ کبھی بھٹک نہیں سکتے۔ جب نبی کی یہ شان ہے، تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام، غیر محرم زلیخہ کے عشق میں کیسے سر گرداں ہو سکتے تھے، غیر محرم اجنبیہ سے عشق کرنا ناجائز ہے، یہ حضرت یوسف علیہ السلام سے محال تھا، حضرت یوسفؑ کے وہ واقعات جو داستان یوسف اور اس جیسی کتابوں میں عاشقانہ اور ناولانہ انداز میں لکھے گئے ہیں، نہایت ہی غلط ہیں، (داستان یوسف غیر معتبر کتاب ہے، اس کو قطعاً نہیں پڑھنا چاہیے) کتاب کو دلچسپ اور

ناول بنانے کے لیے اسرائیلی روایات سے بھر دیا گیا ہے۔

شاید تم جواب دو کہ؛ جب زلیخہ آپ کو پھسلاتی تھی، اس وقت آپ کا دل قبضہ میں تھا، بعد میں قبضہ سے باہر ہو گیا، نعوذ باللہ، یاد رکھو کہ نبی کے دل تمام وساوس سے پاک ہوتے ہیں، ان کی عصمت خدا کے ذمہ ہے، وہ کبھی بھٹک نہیں سکے، خود اللہ تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی کو سورۂ یوسف کے اندر بیان کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: حضرت یوسفؑ اللہ تعالیٰ کے برہان اور دلیل کے دیکھے ہوئے تھے، اس وجہ سے زلیخہ کی طرف مائل نہیں ہو سکتے تھے، شاید اب بھی تم کہہ دو کہ جس وقت زلیخہ پھسلاتی تھی، اس وقت اللہ کے برہان کو دیکھے ہوئے تھے، بعد میں بھول گئے تھے، عزیزم! نبی اللہ تعالیٰ کی دکھائی ہوئی چیز کو کبھی نہیں بھول سکتا، اگر وہ بھول جائیں تو ان کی ساری شریعت ہی منہدم ہو جائے، بہر حال داستان یوسف اور اس جیسی ناول نما کتابوں کو پڑھ کر نبی کی پاک اور بے عیب ذات پر حملہ مت کرو، حضرت یوسفؑ کبھی بھی زلیخہ کے چکر میں عاشقانہ سرگرداں نہیں رہے، اور نہ کوئی نبی غیر محرم عورت پر دل لگا سکتا ہے، معلوم نہیں کہ لوگ نبیوں پر گستاخانہ قلم چلا کر کیسے مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں "**اللھم ثبت قدمی علی الاسلام**"۔

عزیزم! فلمی اور اور ناولی عاشقانہ افسانوں کو شریعت کے مقابلہ میں مت لاؤ، برائی کو برائی ہی سمجھتے رہو، تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ؛ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، اس وقت سے اب تک، عشق ومحبت ہوتی چلی آئی ہے اگر برا ہوتا تو ایسا کیوں ہوتا؟

عزیزم! میں کہتا ہوں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، اس وقت سے قتل وغارت اور خونریزی، زنا کاری، شراب نوشی، چوری ڈکیتی، عیاشی، بدمعاشی سب برائیاں ہوتی چلی آئی ہیں، تو کیا یہ سب برائیاں تم جائز رکھتے ہو، اگر نہیں تو کیوں؟

تمہارا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ: اگر محبت ناجائز ہوتی، تو ایک صحابی کیوں کرتے؟ عزیزم! یہ بالکل جھوٹ اور محض غلط ہے، کسی بھی صحیح کتاب سے ثابت نہیں کر سکتے ہو کہ؛

کوئی صحابی کسی لڑکی کے چکر میں عاشقانہ سرگرداں رہا ہو، تم نے کسی تاریخی ناول میں پڑھ لیا ہو گا، ناولوں کا کوئی اعتبار ہی نہیں، تاریخی ناول کو لوگ صحیح سمجھتے ہیں، عزیزم! ناول نگار، ہر ناول کے اندر تاریخ کے ساتھ ساتھ ایک عاشقانہ افسانہ بھی گڑھتا چلا جاتا ہے؛ تاکہ کتاب دلچسپ اور دل پذیر ہو جائے، خدا تعالیٰ ناول نگاروں کو غارت کرے، کہ انہوں نے نہ تو اولیاء کرام کو چھوڑا اور نہ اصحابِ نبی کو چھوڑا، اور حیرت تو یہ ہے کہ؛ ان کم بختوں نے پیغمبروں کو بھی نہیں بخشا، سب کو عاشقِ زن بنا دیا، چنانچہ دیکھ لو ''داستانِ کلیسا، داستانِ داؤد، داستانِ کربلا، تاریخ کربلا، داستانِ یوسف، داستانِ امیر حمزہ وغیرہ'' ان کتابوں میں ہزاروں اسرائیلی روایات کو بھر کر سب کی عظمت پر حملہ کر گئے۔

عزیزم! ناولوں پر اعتماد مت کرو، اگر ناول میں ایک واقعہ کچھ صحیح ہے، تو دس غلط ہیں۔ اور غیر تاریخی ناولوں میں تو سارے ہی گڑھنت افسانے ہوتے ہیں، بہر حال دنیا میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں، علماء سے بغیر تحقیق کیے، کسی کتاب کو صحیح مت سمجھ بیٹھنا، غور کرو کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ بہت بڑے ولی اور بزرگ کامل ہیں، کون نہیں جانتا؟ لیکن ایک کتاب کے اندر ان کو کافر تک بتلا دیا گیا، اور سنو! حضرت داؤد علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر اور نبی برحق ہیں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی ۹۹/ بیویاں تھیں اس کے باوجود حضرت داؤد علیہ السلام ایک اوریا شخص کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے، اس کو اپنے نکاح میں لانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ تدبیر سوچی کہ؛ اس کے شوہر اوریا کو کسی جنگ میں بھیج دوں؛ تاکہ وہ شہید ہو کر اس کی بیوی بیوہ ہو جائے اور میں اس کی عورت سے نکاح کرلوں، چنانچہ حضرت داؤد نے اوریا کو جنگ میں بھیج دیا وہ شہید ہو گیا، حضرت نے اس کی عورت سے نکاح کر لیا، **نعوذباللہ من ذلک** کیا جرأت ہے لکھنے والوں کی، اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے، عزیزم! آیا کہ پیغمبر معصوم سے ایسا فریب ممکن ہے؟ ہمارے جیسے گنہگاروں کی غیرت گوارہ نہیں کرے گی؛ کہ کسی کو فریب سے قتل کروا کر اس کی بیوی چھین لے۔ چہ جائے کہ؛ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اس کو ادا کرلیں، ایسا کھلا ہوا

فریب نبی سے بالکل محال ہے۔

حضرت داؤد، حضرت یوسفؑ وغیرہ کے بالتفصیل واقعات قرآن وحدیث اور اسلامی تواریخ میں موجود ہیں۔ کہیں بھی ایسے بیہودہ واقعات نہیں ملتے، دشمنانِ اسلام اور متعصّبان اسلام (یہود ونصاریٰ) نے اسلام کی تاریخ کو گندا کرنے کے لیے ایسے بیہودہ واقعات گڑھ کر مشہور کردیئے، اور ناول نگاروں کو ناول نگاری کا موقع مل گیا، غرضیکہ ناولی اور فلمی تاریخوں پر مت جاؤ، ورنہ یہ ایمان کو بھی کھا جائیں گی، ناول کو ناول سمجھ کر پڑھو، ناولی اور فلمی عاشقانہ افسانے شریعت کے مقابلے میں مت لاؤ۔

بہرحال صحابی عاشق زن نہیں ہوسکتا، صحابہ کی پاکدامنی ان کی عظمت وجلالت قرآن نے دی، آیات قرآنی کے اندر بیان کی ہے اور حدیثوں کا کوئی شمار ہی نہیں ہے، ملاقات ہونے پر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بحثیں تفصیل سے سمجھا دوں گا، کہاں تک لکھوں۔

تمہارا چوتھا اعتراض یہ تھا کہ: حضورﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے محبت کیوں کی؟

عزیزم! اس اعتراض میں تم نے اپنی ساری ہوشمندی نکال دی، حضرت عائشہؓ حضور کی بیوی تھیں، بیوی سے محبت کرنا ضروری ہے، حضور کو اختیار تھا، جتنی چاہتے محبت کرتے، تم کو بھی اپنی بیوی کے بارے میں اختیار ہے، کیوں نہیں محبت کرتے، اب رہا تمہارا یہ کہنا، کہ تمام بیویوں میں حضرت عائشہؓ ہی سے کیوں زیادہ محبت تھی، تو اس کے بھی ہمارے پاس علمی جوابات ہیں، جن کو تم ہرگز نہیں سمجھ سکتے، اس لیے ترک کرتا ہوں، ملاقات ہونے پر ان شاء اللہ تعالیٰ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

پانچواں اعتراض تمہارا یہ ہے کہ: مولانا صاحب! جس کے لیے جہنم بنائی گئی ہو، ایسی بت پرست لڑکی سے ہم عبرت حاصل نہیں کرسکتے یہ غیر ممکن ہے؟

عزیزم! کمال وصف اور کمال عبرت کی بات یہی ہے کہ اپنے سے حقیر شئ سے عبرت حاصل کرکے اپنے نفس کو ملامت کرکے دیکھ، اس وصف کا مستحق تو تھا، عزیزم! وہ

لڑکی بہر حال انسان ہی کی اولاد ہے، چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو،عبرت حاصل کرنے والے نے تو سور اور کتوں جیسے نجس العین جانوروں سے عبرت حاصل کرلی، کتاب 'ارواح ثلاثہ'، دوسری کتاب ''قصص الاولیاء'' میں ایک کامل ولی کا واقعہ لکھا ہے؛ کہ انہوں نے عبرت کی دس باتیں، ایک کتے سے حاصل کی تھیں، کتاب ''ارواح ثلاثہ'' کے اندر ایک دوسرے بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ: ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ صبح صادق میں اٹھنا کس سے مشق کیا؟ بزرگ نے جواب دیا: کہ ہم نے صبح صادق میں اٹھنا سور سے سیکھا ہے، اب کہو کیا رائے ہے؟ ان بزرگوں کے بارے میں، کیا ان بزرگوں کو خدا تعالیٰ نے آپ جیسی بھی ہوشمندی نہیں دی تھی، جب کتے اور سور جیسے پلید اور گندے جانور سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے، جن کا حال یہ ہے، کہ اگر گھر میں آجائیں تو فرشتے نہیں آتے، اگر برتن میں منھ ڈال دے تو سات مرتبہ دھلنے سے پاک ہو، اگر سور نے منھ ڈال دیا تو برتن ہی پھینک دیا جائے تو کافرہ اور مشرکہ سے عمدہ بات پر کیوں نہیں نصیحت اور عبرت حاصل جاسکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب کافرہ اور مشرکہ ہونے کی وجہ سے اس لڑکی سے عبرت حاصل کرنے چلیں اپنی توہین سمجھتے ہو تو پھر کافرہ اور مشرکہ سے عشق کرنا کہاں کی فخر کی بات ہے، کیا یہی تمہاری ہوشمندی ہے؟

عشق ایک ایسی مہلک شیٔ ہے؛ کہ عاشق اگر اپنی کامیابی مال کے قربان کرنے میں سمجھتا ہے، تو مال کو بھی قربان کردیتا ہے، اگر ماں باپ کے قربانی میں کامیابی ہے، تو ماں باپ کو بھی قربان کردیتا ہے، اور اگر خدانخواستہ اپنی کامیابی ایمان کے قربان کرنے میں سمجھتا ہے تو اس کو بھی قربان کردے گا۔ **نعوذ باللہ من ذلک**

چنانچہ؛ الہ آباد میں، ایک عاشقِ زن کا واقعہ درپیش آیا تھا؛ کہ اس نے اپنے بے گناہ ماں باپ کو بھی عشق کے چکر میں قتل کردیا تھا، ماں باپ روک تھام کررہے تھے، اس نے

روک تھام کی جڑ ہی صاف کردی، یہ ہے عشق کی حقیقت، ایسے ہی ایک اور عاشق کا واقعہ مشہور ہے؛ کہ ایک نصرانی لڑکی پر عاشق ہوگیا، لڑکی نے کہا کہ تم نصرانی ہو جاؤ پھر شادی تم سے کرلوں گی، چنانچہ وہ اپنا ایمان عشق سے بیچ کر نصرانی ہوگیا، خدا تعالیٰ ہم سب کی حفاظت کرتے رہیں۔

عزیزم! تم ہو مسلمان، وہ ہے کافرہ اور مشرکہ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تم اس پر فریفتہ اور جانثار ہو، وہ تم پر فریفتہ نہیں ہے، اب ایسے حالات کے پیش نظر کیا کیا خطرات ممکن نہیں ہوسکتے، بہرحال اب ہم اپنا قلم روکتے ہیں، کہاں تک لکھوں۔

ہم اتنا طویل خط کسی طرح بھی نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن چونکہ تمہاری تحریر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی؛ کہ تم عاشقانہ ناولیں دیکھ دیکھ کر اور فلمی توہمات میں پڑ پڑ کر اپنے عقائد فاسد کر چکے ہو، اس لیے ہمیں ضروری ہوا کہ حق اور ناحق سے آشنا کروں، اب سمجھنا نہ سمجھنا تمہارا اختیار رہے، ہم اپنے فرض سے سبک دوش ہوگئے۔

عزیزم! یہ ہمارا آخری خط ہے، آئندہ ہمیں زحمت میں نہ ڈالنا، ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے، ویسے خیر و خیریت ہمیشہ لکھتے رہو، ان شاء اللہ جواب دیتا رہوں گا۔

فقط والسلام

آپ کا ناکارہ بھائی

علی حسن غفرلہ

یہ خطوط احقر نے اپنے استاذ حافظ محمد جاوید صاحب دامت برکاتہم سے حاصل کیے تھے،(جو حضرت مولانا علی حسن صاحب کے ہردلعزیز شاگرد ہیں)

احقر محمد جنید القاسمی

۲؍شوال ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۹؍جولائی ۲۰۱۵ء بروز اتوار

حاسدین کا وجود صاحب کمال ہونیکی دلیل ہے

عزیز بیٹے حافظ محمد جاوید..................سلمہ اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے خیر کہ: واضح ہو کہ تم کو آئے ہوئے کم وبیش ڈیڑھ ہفتہ ہو چکا ہے، تاہنوز انتہائی اضطراب اور بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں، انتظار کرتے کرتے مایوس ہو کر محمد طارق کو بھیجنا پڑا، بیٹے حاسدوں کے حسد کی فکر مت کرو، تم ہماری آنکھ کے تارے پہلے بھی تھے اور آج بھی ہو اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہو گے، حسد کسی کمال ہی پر کیا جاتا ہے، حاسدین کا وجود صاحب کمال ہونے کی دلیل ہے، بہر حال آج سے کل تک آجاؤ کچھ مشورہ بھی ہے۔ میں علیل چل رہا ہوں ورنہ خود آتا۔

تمہارا اشک بار اور انتہائی غم انگیز خط ملا تھا، پڑھ کر جو کیفیت ہوگئی تھی، اور اب تک ہے وہ زبان وقلم سے بیان نہیں کی جاسکتی، بالائے رواق، جو جملہ ہم نے کہا تھا، اس پر کسی اور حیثیت سے تم نے غور کیا ہے، اسی وجہ سے زیادہ تکلیف ہے، اگر ہمارا بیرنگ خط مل گیا ہوتا تو ساری تکلیف دور ہو جاتی، بقیہ بر ملاقات۔ والدین سے سلام عرض کرنا۔

علی حسن غفرلہ

۱۷/۶/۱۹۹۳ء

ہمارا سب کا، مقدرات پر ایمان ہے

مکرمی......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنون! عرض ہے کہ میرے پرچہ کے جواب میں آپ کی جانب سے پے در پے دو پرچے دستیاب ہوئے، احوال و کوائف سے خبر دار ہوا، آپ پہلے ہی سے تکلیفوں سے دو چار تھے، ادھر میرے پرچے سے آپ کی تکلیفوں میں مزید اضافہ ہو گیا اور آپ کی بڑھتی ہوئی تکلیفوں نے میری تکلیفوں میں اضافہ کر دیا، غرضیکہ دونوں طرف ایک دوسرے کی تکلیفوں سے تکلیفوں میں اضافہ ہوتا گیا اور دونوں طرف کی یہ بڑھتی ہوئی تکلیفیں حافظ محمد جاوید سلمہ کے احساس اور ندامت کا ذریعہ بن گئیں، اب ان کو اپنے لڑکپن کا شدید احساس ہے، اور سارا لڑکپن ختم ہو گیا ہے لہٰذا کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں، واضح رہے کہ شاگرد خواہ کتنے ہی ہوں سب اولاد کی جگہ ہوتے ہیں، میں تو سارے ہی شاگردوں کو اپنی اولاد مانتا ہوں، مگر حافظ محمد جاوید سلمہ کو صرف اولاد ہی کی جگہ نہیں بلکہ حقیقی اور سگی اولاد کی جگہ یقین کرتا ہوں، اور یہ سلمہ بھی مجھ کو باپ کی جگہ مانتے ہیں، جب یہ چیزیں ہیں، یہ یاد رکھئے کہ لڑکے اور باپ کے درمیان لڑکپن اور باپ پن کے حالات بھی پیش آسکتے ہیں، لڑکا لڑکپن کے تقاضے سے کبھی مچل کر اپنے شفیق باپ کو لاڈ اور دُلار دکھا سکتا ہے اور شفیق باپ اپنے مچلے ہوئے لڑکے کے نخرے اور دلار کو خندہ روئی سے قبول کر لیتا ہے، جیسا کہ ہمارے اور سلمہ کے درمیان ہے، اگر میرے اندر لاڈ اور دلار نہ ہوتا تو یہ مجھ کو لاڈ اور دلار کیوں دکھلاتے اور میرے اندر اگر شفقت نہ ہوتی تو لاڈ کیوں دیکھتا، بہر حال لاڈ اور دلار کی چیزیں آئیں اور چلی گئیں، سارا معاملہ ختم ہو گیا، اب آپ ان سے باز پرس نہ کریں۔ وہ اور بات

ہے کہ بحیثیت باپ کے کچھ مشفقانہ نصیحتوں سے نواز دیں، رہا رشتے کا معاملہ تو اس سلسلے میں آپ زیادہ الجھن ہرگز نہ کریں۔ اگر خدا کے نزدیک یہ رشتہ مقدر ہے۔ تو ہزار مخالفتوں کے باوجود ہو کر رہے گا۔ اور اگر خدا کے نزدیک یہ رشتہ مناسب نہیں ہے۔ تو ہزار کوششوں کے باوجود بھی ختم ہونا ہے، ہمارا سب کا مقدرات پر ایمان ہے، لہٰذا ہرگز الجھن کی ضرورت نہیں، اب آخر میں دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بیماریوں کو اور ہر طرح کی الجھنوں کو بالکلیہ ختم کر دے اور آپ سے بھی دعاء کی درخواست ہے۔

فقط

احقر علی حسن غفرلہ گنج مراد آباد

۲۲/۱۰/۱۹۹۵ء

گھر زیادہ نہ آیا کرو

''یہ خط مولانا محمد عرفان صاحب ندویؒ جس وقت مدرسہ دار التعلیم والصنعۃ جاجمئو کانپور میں زیر تعلیم تھے، اس وقت تحریر کیا گیا ہے، خط بوسیدہ ہونے کی وجہ سے کچھ عبارت حذف ہوئی ہے۔ غالبا اس جگہ یہ عبارت ہے ''بیٹے ہم کو''۔ (مرتب)

ازعلی حسن غفرلہ ۷۸۶ نوشتۂ تحریر ۱۹۸۳/۱۱/۱۹

عزیزم حافظ محمد عرفان سلمہ اللہ تعالیٰ.............................السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تمہارا خط .... ملا، مافیہا سے مطلع ہوا، بیٹے تم نے لکھا ہے کہ طبیعت نہیں لگتی ہے، مجھے از حد افسوس ہے، اپنی طبیعت پہ کنٹرول کرو، کسی مدرسہ میں جاؤ، کسی بھی من پسند جگہ نکل جاؤ، گھر کی یاد ضرور ستاتی ہے، یہ چیز صرف ۲۰/۲۵ یوم تک رہتی ہے، پھر رفتہ رفتہ طبیعت لگ جاتی ہے، اسی وجہ سے کہا کرتا ہوں کہ گھر کم آیا کرو، طبیعت قاعدے سے لگنے نہیں پاتی، آجاتے ہو، رہ گیا مدرسہ کا کھانا؛ تو بیٹے یاد رکھو! ہر مدرسہ میں کھانا ایسا ہی ملتا ہے، تمہارے پاس تیل، گھی وغیرہ تو رہتا ہے۔ دال وغیرہ بگھار لیا کرو، ہم نے زید پور میں تو ایسے کھانے پر گزر کیا کہ؛ شاید ایسا کھانا جیل میں بھی نہ ملتا ہو، مگر میں نے کبھی بھی اہل خانہ سے کھانے کی بدمزگی کی شکایت نہیں کی۔

بہرحال! محنت سے پڑھو، ان شاء اللہ طبیعت لگ جائے گی، ہمت ہرگز ہرگز پست نہیں ہونی چاہیے، لوگ دنیا کمانے کی غرض سے گھر وطن وغیرہ قربان کرکے سڑکوں پر پڑے رہتے ہیں، تم تو ماشاء اللہ علم دین کی تحصیل کی غرض سے گئے ہو۔

اگر کچھ تکلیف ہے تو وہ تکلیف ایسی نہیں ہے کہ ہمت توڑ دی جائے، ہم نے جیسے تکلیف دہ امور طالب علمی کے دور میں برداشت کیے ہیں، شاید کسی نے برداشت نہ کیے ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں علم و عمل کی دولت سے مالا مال کرے گا، غلط لڑکوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

علی حسن

اردو شروحات سے طلباء کو مجتنب رہنا چاہیے

عزیزی محمد عرفان سلمک اللہ تعالیٰ..............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واضح ہو کہ ابھی ابھی تمہارا خط ملا، کاشف مافیہا ہوا، کتابوں کی معلومات مقصود تھیں وہ دیوبند سے منگوالوں گا، کتاب البیوع یقیناً مشکل ہے، مگر جتنا مشکل تم نے جادو سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔ اتنا نہیں ہے، محنت شرط ہے، بلاناغہ تکرار کی جملہ کتب میں اشد ضرورت ہے۔

محنت اور فکر، علوم وفنون کو سہل تر کر دیتی ہے، حتی الامکان اردو شروحات سے طلباء کو مجتنب رہنا چاہیے، اس سے استعداد پر اثر پڑتا ہے۔ ویسے قدوری کی بہت سی شروحات ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل نام سے موسوم ہیں: اول : اصح النوری شرح قدوری، دوم: مصباح القدوری، یہ دونوں شرحیں اردو میں ہیں، مکتبہ دار الکتاب دیوبند سے منگوالینا اور ممکن ہے کہ لکھنؤ ہی میں کسی مکتبہ میں مل جائیں۔

حضرت مولانا فضل رحمان صاحبؒ کی سوانح حیات کے سلسلے کی ایک کتاب جس کا نام: ''فضل رحمانی'' ہے جس کے صفحہ ۲۷/۲۸/۲۹/ پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ہاتھوں تعزیہ کا جلا دینا اور مسجد سے نکلوا دینا مکتوب ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں یہ کتاب ہے، کتب خانہ فہرست کے ذریعہ کتاب نکال کر مندرجہ بالا صفحہ سے وہ جملے جس میں تعزیہ کے جلانے والا واقعہ ہے نقل کر کے بھیج دینا۔(۱)

احقر علی حسن غفرلہ

آگے کی دو تین سطر اور پھر دستخط دیمک کی نذر ہوگئے ہیں، غالباً ان سطور میں دستخط اور سن تاریخ درج ہے، حضرت الاستاذؒ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی مکمل فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے، اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ۷ رجنوری ۲۰۱۸ء مطابق ۱۶ رربیع الثانی ۱۴۳۹ھ کو ندوۃ العلماء میں تین دن قیام کیا، زیادہ وقت کتب خانہ شبلی میں گزارا اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب کے سلسلہ میں جس کتاب میں جو معلومات درج تھیں، ان کی مکمل فوٹو اسٹیٹ راقم السطور نے کرائی، ہم ممنون ہیں کتب خانہ شبلی کے سبھی اراکین کے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

امسال ۷۰ رفیصد کامیابی لازم ہے

"اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت الاستاذ کو اپنے طلبہ سے کس قدر کامیابی اور اچھی تعلیم کی طرف توجہ رہتی تھی۔ (مرتب)

عزیزی حافظ محمد عرفان سلمہ .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ازیں قبل ۲ رخط بھیج چکا ہوں، ان شاء اللہ موصول ہو گئے ہوں گے، لکھ چکا ہوں کہ فریقین کے مابین مصالحت ہو چکی ہے، الحمد للہ حالات مکمل سازگار ہیں۔

رضاخانیوں کو بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ ہرگز اشتعال انگیزی نہیں کر سکتے ہو آگے خدا حافظ۔

وہ کتاب جس میں حضرت شہیدؒ کی تقویت الایمان کو محرف ثابت کیا گیا ہے لیتے آنا۔

بقیہ خیریت ہے، محنت سے پڑھنا، امسال ۷۰ رفی صد کامیابی لازمی ہے۔

اللہ تعالیٰ علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

آگے کی ایک سطر دیمک خوردہ ہوگئی ہے، غالباً اس میں سن تاریخ اور دستخط ثبت ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اصل چیز انہماک اور استغراق فی التعلیم ہے

عزیزی محمد عرفان.............................سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد دعائے علم و عمل کے واضح ہو کہ تمہارا خط بنام بھائی جان دستیاب ہوا، کاشف ما فیہا ہوا، تم نے امتحان میں کامیابی کی اطلاع بھی دی ہے، ہم سبھی لوگوں کو مسرت ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم نافع اور عمل صالح سے مالا مال فرمائے اور ہم لوگوں کی تمناؤں کی تکمیل فرما کر حقیقی مسرت سے نوازے۔

عزیزم امتحان کی کامیابی اور عدم کامیابی سے ہم متاثر نہیں ہوتے، اصل چیز انہماک و استغراق فی التعلیم ہے، اور ہماری نظر اصل پر ہوتی ہے، امتحان میں کامیاب تو سبھی ہو جاتے ہیں، جو سیر و تفریح کرتے ہیں وہ بھی اور جو تعلیم میں مستغرق رہتے ہیں وہ بھی۔

تم نے لکھا ہے کہ خوشی میں دو کلو مٹھائی اساتذہ کرام کو کھلائی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو تم کو خط میں ہرگز نہیں لکھنا چاہیے تھا، اس میں اساتذہ کی تخفیف عوام الناس میں ہوتی ہے، کیونکہ یہ اساتذہ کی شان کے خلاف ہے کہ طلباء سے مٹھائی کا مطالبہ کریں، ہم لوگ اساتذہ سے تو کھالیا کرتے تھے مگر ایسے مواقع پر اساتذہ مطالبہ نہیں کرتے تھے۔

طالب حسین کے والد صاحب مرحوم کا ۶/۱/۱۹۸۵ء بروز اتوار کو انتقال ہو گیا ہے، ان کے لیے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کرتے رہو، حقیقت میں مدرسہ مفتاح العلوم انہی کی تحریک کا نتیجہ ہے، ہمیشہ مدرسہ کے سلسلے میں فکر مند رہتے تھے، اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

غلط صحبت، بد شوق لڑکوں کی مصاحبت سے از حد پرہیز لازمی ہے، مولانا ثناء اللہ صاحب کو میں نے خط لکھا تھا، مطلع کرو کہ ملا یا نہیں۔

احقر علی حسن غفرلہ

عدم نور سے عدم برق لازم نہیں آتا

عزیزی سلمک اللہ تعالیٰ...............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے علم وعمل کے واضح ہو کہ پرسوں ۳۰ر جنوری کو باندہ کے اجتماع سے ۱۲ر بجے شب کو واپس آیا جب گھر پہنچا تو تمہارا ملفوف خط دو روز قبل کا آیا ہوا دستیاب ہوا، خیال تھا کہ صبح ہی جواب لکھ دوں گا، جب صبح ہوئی تو ایک ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے اچانک غوث گنج جانا پڑ گیا، آج غوث گنج سے واپس آتے ہی جواب لکھ رہا ہوں۔

بیٹے تم نے لکھا ہے کہ ابھی آپ نے مجھے معاف نہیں کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ پہلے کی طرح وہ شفقت ورحمت نہیں ہے وغیرہ۔

بیٹے یہ بات تم پر خوب روشن ہوگی کہ ایام شیر خوارگی میں باپ اپنے لاڈلے بیٹے کو گود میں لے کر ٹہلتا ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد باپ بیٹے کو انگلی پکڑ کر تفریح کراتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ انگلی بھی چھوٹ جاتی ہے، اب اگر بچہ باپ سے کہنے لگے کہ آپ کو مجھ سے اب محبت بالکل ہی نہیں رہی، اور دلیل یہ پیش کرے کہ پہلے آپ مجھ کو دوش پر سوار کر کے تفریح کراتے تھے پھر آپ نے دوش سے اتار کر انگلی پکڑ کر پیادہ چلانا شروع کر دیا، یہ بھی قدرے غنیمت تھا اب تو آپ نے انگلی بھی چھوڑ دی، یہ عظیم تبدیلیاں، عدمِ محبت کی واضح دلیل ہیں۔

باپ بیٹے کو یہی جواب دے گا کہ بیٹے یہ تمہارا طفلانہ قیاس اور بچکانہ استدلال ہے۔ میرے اندر نفس محبت جو طبعی چیز ہے اس میں سر موئے فرق نہیں آیا، ہاں البتہ جیسے جیسے تمہاری حیثیت میں تبدیلی آتی گئی اسی مناسبت سے محبت کے مظاہر میں فرق آتا گیا، نفس محبت میں کوئی فرق

نہیں آیا، کسی غیر مرئی شئ کے مظہر کے بدل جانے سے (یا بالفرض بزعم شما مظہر کے فقدان سے) اصل شئ کا فقدان لازم نہیں آتا، کما لا یخفی علی اھل العلم

بلب کی روشنی تاروں اور پاور ہاؤس میں برق کے وجود پر دال ہے، لیکن اگر کسی عارض کی وجہ سے بلب بے نور ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تاروں یا پاور ہاؤس میں پاور کا وجود نہیں رہا، تو عدم نور سے عدم برق لازم نہیں آتا، برق کے وجود کا مظہر اگر نور ہے تو نور کے فقدان سے برق کا فقدان لازم نہیں آتا، برق کے وجود کو دوسرے حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال تم اپنے حق میں اگر میرا طرز کچھ مبدل محسوس کر رہے ہو، تو اس سے تم عدمِ محبت کیسے سمجھ بیٹھے، میرے قلب میں جس قدر پہلے محبت تھی آج بھی اسی قدر ہے۔ اگر مظاہر محبت میں کچھ تبدیلی محسوس کر رہے ہو تو بلحاظ اسباب ومحرکات کے مظاہر محبت بدلتے رہتے ہیں پھر جیسے محبت ایک طبعی غیر اختیاری شئ ہوتی ہے ایسی ہی مظاہر محبت بھی طبعی اور غیر اختیاری بن جاتے ہیں، تم بالکل مطمئن رہو، میں ناراض نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تمہیں بھی اپنی مرضیات کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قول وفعل میں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے، امتحان قریب تر ہوتا جا رہا ہے، استغراق کے ساتھ محنت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ تم کو امتیازی نمبرات سے کامیاب فرمائے، کم وبیش دو عشرہ قبل ایک خط تم کو لکھ چکا ہوں مگر تم نے اس کا جواب نہیں دیا، نیز قمر الزماں بھیا کے مرسلہ خطوط بھی تم تک نہیں موصول ہوئے، غالباً یہ ڈاک کی بدنظمی کا نتیجہ ہے، بایں وجہ رجسٹری کرتا ہوں۔

فقط

علی حسن غفرلہ

۱/۲/۱۹۸۹ء

مقصود تعلیم دینیہ ہے

عزیزی محمد عرفان سلمہ اللہ تعالیٰ.............................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے ترقی علم وعمل و درازئ عمر کے...... تعلیم میں انہماک تامہ ہونا چاہیے، مصارف میں قناعت اختیار کرنا چاہیے، بحیثیت حصول تعلیم، جملہ علوم وفنون پر یکساں توجہ ہونی چاہیے اور جملہ علوم وفنون مقصود بالذات ہیں، ان کا تو تمہیں کیڑا بن جانا چاہیے، مجھے ذاتی احساس ہے کہ ندوے کے طلباء عموماً...... ادب کی طرف خصوصی توجہ رکھتے ہیں اور دیگر فنون کی طرف سے تساہلی کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔
مقصود تعلیم دینیہ ہے۔

فقط والسلام
علی حسن غفرلہ
۱۹۸۴/۱۱/۱۵ء

تحصیل علم کیلئے طلب صادق کی ضرورت ہے

اس مکتوب کے مخاطب ہر دو حضرات ہیں، حضرت مولانا محمد عرفان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ مولانا نسیم احمد صاحب ندوی، استاذ ادب عربی مدرسہ معہد سیدنا ابی بکر الصدیق مہپت مئو، لکھنؤ۔ (مرتب)

عزیزانم محمد عرفان و محمد نسیم .... سلمکما اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ واضح ہو کہ ہم لوگ بحمد اللہ بخیریت ہیں، امید ہے کہ تم لوگ بھی بعافیت ہو گے۔

سالانہ امتحان قریب تر ہوتا چلا جارہا ہے، ابھی سے تیاری کی ضرورت ہے، بعض کتب میں نمبرات کی کمی کا جو عذر تم لوگ لکھ دیتے ہو وہ قطعاً دل کو نہیں لگتا ہے۔

سادہ لوحوں کو کچھ بھی لکھ سکتے ہو، مگر خبر داروں کو تمہارے اعذار مطمئن نہیں کر سکتے۔

تحصیل علم کے لیے طلب صادق کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین

احقر علی حسن غفرلہ

خادم مدرسہ مفتاح العلوم

۱۱/۲/۱۹۸۷ء

مولانا رحمۃ اللہ علیہ

اور

خدماتِ مدرسہ مفتاح العلوم

نیز

تأثراتِ مشاہیر اکابر

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور خدماتِ مدرسہ

شروع میں مدرسہ مفتاح العلوم کا چندہ بہت مختصر تھا، حضرت الاستاذؒ کے آنے کے بعد نظام مرتب کیا، گھر گھر ممبر بنائے، ایک رجسٹر ''آمدنی از بنکران و آڑھت داران'' کے نام سے تیار کیا گیا، اس وقت ساکنانِ محلّہ انصار میدان اپنی اپنی وسعت کے بقدر تعاون کرتے رہے، ان کے تعاون کا طریقہ ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا علی حسن قاسمی گنج مرادآبادیؒ تحریر فرماتے ہیں: مارچ ۱۴۰۱۔۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱۔۱۹۸۲ء تک جو رقوم آڑھت داران سے ملی، اس میں فی بیلن دو روپیہ کاری گران کی ہے، اور فی بیلن ۵۰/ پیسے آڑھت داران کی ہے، آئندہ سے آڑھت داران فی گانٹھ دو روپیہ کے حساب سے ادا کریں گے۔ (رجسٹر آمدنی از بنکران و آڑھت داران ص: ۶/۷، غیر مطبوعہ ۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۲ء (مرتب: مولانا علی حسن قاسمی گنج مرادآبادیؒ، معلم مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد)

اس مختصر تفصیل کے بعد یہ اقتباس نقل کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ نے اہل مرادآباد سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''اگر تم چند آدمی متفق ہو کر غرباء سے چندہ لینا شروع کردو اور امراء میں سے جو صاحب بہ نظر ثواب شریک ہوں ان کو شریک کرو تو خدا کے فضل سے امید ہے کہ ایک معقول رقم جمع ہو جاوے، پھر اللہ پر بھروسہ کر کے یوں فرمایا کہ جاؤ اس کام میں جلدی کرو۔''

اول ایک مدرس عربی جو جملہ کتب درسیہ پڑھا سکے اس کو بہ تنخواہ مقرر کر کے مدرسہ جاری کر دو اور انتظام اس کا غرباء ہی کی رائے پر چھوڑ دو۔ (تاریخ شاہی نمبر ص: ۲۵۔۲۶، مطبوعہ ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۳ھ، مرتب حضرت الاستاذ مفتی محمد سلمان منصور پوری)

ممکن ہے یہ تحریر یا فیضان قاسمی حضرت الاستاذؒ کے پیش نظر رہا ہو اور انہوں نے اس نظام کو مرتب فرما کر اپنے اکابر و اسلاف کے نقش قدم پر چل کر مدرسہ ہٰذا کی ترقی اور تعلیم معیار کو بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

☆☆☆☆

تعارفِ مدرسہ

از قلم: مولانا علی حسن قاسمی فہمی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارا ہندوستان ایشیا کا قدیم ترین اور وسیع وعریض مشہور ملک ہے، یہاں بھی آفتاب اسلام کی شعائیں صوفیاء کرام وعلماء عظام کے ذریعہ پہنچی، اسلام کے عروج وزوال کی ایک داستان ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد جبکہ ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہوا تو انہوں نے شمع اسلام بجھانے کی انتھک کوشش کی۔ اگر علماء کا وجود نہ ہوتا تو سارا ملک عیسائیت کی تاریکی میں گم ہوگیا ہوتا، اور اس ملک کا حال بھی ایشیا کے دیگر ممالک کی طرح ہوجاتا، پھر اسکولوں اور کالجوں میں ایسا نصاب تیار کیا جاتا جو اسلام کے لیے سم قاتل ہوتا، مگر اسلامی مدارس اور دینی اداروں نے ہندوستانی مسلمانوں کی رگوں میں یہ زہر قاتل پھیلنے نہیں دیا، آج مسلمان ان دینی مدارس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر ان کو یقین کرنا چاہیے کہ الحادی اور مادی زہر کا تریاق بھی دینی مدارس میں ہے۔

گنج مرادآباد ضلع اناؤ کا ایک مشہور ومعروف قصبہ ہے، جو حضرت قطب الاقطاب مولانا شاہ فضل رحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پیارا وطن ہے، یہاں حضرت اقدس کے مقدس ومبارک زمانے میں آپ کے در فیض سے علوم ومعارف کا ایک وسیع تر چشمہ جاری تھا، تشنگانِ علوم ومعارف دور دور سے آکر آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوکر اپنے ظاہر و باطن کو پختہ کررہے تھے، مگر آپ کی وفات شریف کے بعد، جوں جوں آپ کے مقدس زمانے سے بعد اور دوری ہوتی گئی اسی قدر انحطاط بھی بڑھتا گیا۔ حتی کہ یہاں کوئی ایسا دینی مدرسہ یا مکتب بھی نہ رہا، جس میں دین کی ضروری اور بنیادی تعلیم کا بھی نظم رہتا، اس بنا پر

یہاں مسلمان بیچارے دین سے ناواقف ہوکر بدعات ومحدثات اور رسوم ورواج میں مبتلا ہوتے جارہے تھے، اب ظاہر ہے کہ آنے والی نسل کا جوحال ہوتا وہ محتاج بیان نہیں، ایسی حالت میں مسلمانوں اوران کی آنے والی نسلوں کا دین واسلام پر قائم رکھنے کے لیے یہاں اسلامی مدرسہ کا قیام بہت ضروری سمجھا گیا، چنانچہ ۱۹۷۶ء میں قصبہ کے چند مخصوص حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں مدرسہ مفتاح العلوم کا قیام عمل میں آیا، جس میں تعلیمی معیار فی الحال ابتدائی درس نظامیہ عربی اور مکمل حفظ وتجوید اوراردو دینیات، ہندی تادرجہ پنجم ہے۔

الحمدللہ اس وقت مدرسہ میں ۱۸۰ر بچے زیر تعلیم ہیں،۲۲ر ستمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۲۹ر شوال ۱۳۹۹ھ بروزشنبہ کوشعبہ حفظ وتجوید قائم ہوا،بفضلہٖ تعالیٰ چندسال کے مختصر عرصہ میں اس شعبہ سے ۳۶ر طلباء نے فراغت حاصل کی، مدرسہ کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تعلیمی و تربیتی اصلاحی وتبلیغی خدمات کے ساتھ ساتھ بیرونی ومقامی نادارطلباء کی جملہ کفالت وقیام وطعام وغیرہ، مدرسہ ہی کرتا ہے، نیز بیرونی طلباء اور شعبہ حفظ وعربی کے مقامی طلباء کا قیام مستقل مدرسہ میں رہتا ہے، جن کوطلوع آفتاب سے تقریباً ڈھائی گھنٹہ قبل بیدار کیا جاتا ہے، جملہ طلباء باوضو ہو کراوراد عیہ ماثورہ سے فارغ ہوکر تانماز فجر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اساتذہ کی نگرانی میں اسباق یاد کرتے ہیں، اسی طرح بعد نماز مغرب متصلاً تانمازِ عشاء اسباق میں منہمک رہتے ہیں۔

یہ بانیان مدرسہ ہذا کے اخلاص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے کہ آج قصبہ گنج مرادآباد اور اس کے قرب وجوار مدرسہ ہذا کے نورانی وجود سے منور ہیں، غرضیکہ مدرسہ نے چندسال کے مختصر عرصہ میں اپنی بساط اور وسائل کے اعتبار سے جوگراں قدر خدمات انجام دیں وہ اظہر من الشمس ہیں، نیز اس کے معلمین ومنتظمین ومعاونین نے اپنی جدوجہد اور حسن کردار سے مدرسہ کے وقار میں جونمایاں اضافہ کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ خدا کرے کہ مدرسہ کا ارتقائی سلسلہ درازتر ہوتا چلا جائے۔

مدرسہ مفتاح العلوم کے ابتدائی دور کے

احوال و کوائف

بہ قلم.............حضرت مولانا علی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

برادرانِ ملت! آپ کا یہ دلکش اور پرشکوہ ادارہ مدرسہ مفتاح العلوم جو اپنی مخصوص کارکردگی اور بطریق احسن تعلیم دہی کے اعتبار سے ضلع اناؤ کی واحد درسگاہ ہے، جس کا قیام ۱۹۷۶ء میں عمل میں آیا، جس میں تعلیمی معیار فی الحال اردو دینیات مع ہندی تا درجہ پنجم واز ابتداء تا انتہاء کلام پاک ناظرہ وحفظ وتجوید ہے، الحمد للہ اس وقت مدرسہ ہذا میں ۱۸۰ بچے زیر تعلیم ہیں، جن کو جملہ مدرسین و معلمین انتہائی توجہ وانہماک کے ساتھ درس دیتے ہیں، امسال ۲۴ غریب و نادار طلبہ ایسے بھی ہیں جن کی کفالت بذمہ مدرسہ ہے، یہ بانیانِ مدرسہ کے اخلاص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے کہ آج قصبہ گنج مرادآباد اور اس کے مستفیدین کی خاصی تعداد اپنے علم وعمل سے لوگوں کے دلوں کو قرآن وحدیث کی روشنی سے پرنور کر رہے ہیں۔

الغرض مدرسہ نے سات سال کے مختصر عرصہ میں جو گراں قدر تعلیمی و تبلیغی خدمات انجام دی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں نیز اس کے معلمین و منتظمین ومعاونین نے اپنی جد و جہد اور حسن کردار سے مدرسہ کے وقار میں جو نمایاں اضافہ کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں، خدا کرے مدرسہ ہذا کا ارتقائی سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جائے۔

بفضلہٖ تعالیٰ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۹ء بروز شنبہ کو مدرسہ ہذا میں شعبہ حفظ کا قیام بھی وجود میں آیا، الحمد للہ ساڑھے چار سال کے مختصر عرصہ میں اس شعبہ سے ۱۵ طلباء نے دستار فراغت حاصل کیا، مدرسہ کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تعلیمی و تربیتی، اصلاحی و تبلیغی

خدمات کے ساتھ ساتھ بیرونی ومقامی نادار طلباء کے قیام وطعام اور دیگر جملہ ضروریات کی کفالت مدرسہ ہی کرتا ہے، نیز بیرونی طلبا اور شعبہ حفظ کے مقامی طلباء کا قیام مستقل مدرسہ میں ہی رہتا ہے جن کو طلوع آفتاب سے تقریباً ڈھائی گھنٹہ قبل بیدار کیا جاتا ہے، جملہ طلباء باوضو ہوکر اور ادعیۂ مسنونہ سے فارغ ہوکر تا نماز فجر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اساتذہ کی نگرانی میں اسباق یاد کرتے ہیں، اس طرح بعد نماز مغرب متصلاً تا نماز عشاء اسباق یاد کرتے ہیں، مقیم طلباء فی الحال درسگاہوں میں رہتے ہیں، ان کی رہائش کے لیے اب تک کوئی مستقل دار الاقامہ تعمیر نہیں ہوسکا، جس کی تعمیر اشد ضروری ہے، نیز مدرسہ میں مطبخ اور مسجد کی تعمیر بھی نہایت ضروری ہے، ان ضروری تعمیرات اور دیگر ارتقائی منصوبوں کے لیے مدرسہ کا موجودہ احاطہ بالکل ہی ناکافی تھا، اس وجہ سے مدرسہ نے اپنے متصل شمال جانب کے کھیت کو (جو ۱۸ر بسوہ ہے)، بیس ہزار روپئے میں ۲۴/۸/۱۹۸۳ء کو خرید لیا ہے، مالک زمین کو صرف پانچ ہزار روپئے نقد دیئے گئے ہیں، باقی پندرہ ہزار روپئے بذمہ مدرسہ قرض ہے جس کی طرف آپ جیسے مخلصین ومعاونین کی توجہ کی اشد ضرورت ہے، لہٰذا برادران اسلام سے مخلصانہ درخواست ہے کہ رمضان شریف کے داد و دہش کے مبارک موقع پر اس مدرسہ کی طرف بھی خصوصی توجہ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین۔

مذکورہ تحریر میں مولانا نے جن منصوبوں کا ذکر کیا ہے، الحمدللہ وہ منصوبے بروئے کار لانے کی مکمل کوشش جاری ہے، ایک مسجد (مسجد بلال کے نام سے وسیع وعریض مسجد ہے) اور رہائشی کمرے اور مستقل دار الاقامہ ہے۔ (مرتب)

☆☆☆☆

مدرسہ کی شکل میں علوم نبوت کی شمع روشن ہوئی

بہ قلم..............حضرت مولانا علی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

میرے محترم بزرگوں اور دوستو! چند سال قبل ہمارے آباؤ اجداد محلّہ اور بستی کے اکثر حضرات بدعات ومحدثات اور رسوم ورواج اور دیگر تمام قسم کے مشرکانہ افعال میں تھے، کوئی تعزیہ پرستی کو عین ایمان سمجھتا تھا، کوئی قبر پرستی کو عین اسلام جانتا تھا، غرضیکہ طرح طرح کے مشرکانہ افعال میں یہاں کی قوم مبتلا تھی، مگر خدا تعالیٰ کا بے کراں فضل ہوا کہ اس نے آپ حضرات کو مدرسہ کی شکل میں علوم نبوت کی شمع روشن کرنے کی توفیق بخشی، جس سے جہالت کی اندھیری اور ضلالت کی تاریکی چھٹ کر ہمارے قلوب منور ومجلیٰ ہو گئے، میرے بزرگوں یہ دینی مدرسہ ایک کارخانہ ہے، جہاں آدم سازی اور مردم گری کا کام ہوتا ہے ،بگڑے ہوئے انسانوں کی انسانیت کی مرمت ہوتی ہے، اور جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ ایک ہسپتال ہے جہاں بیمار دلوں کا علاج اور چشم بصیرت کے اندھے پن کا آپریشن ہوتا ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ یہ عالم اسلام کا بجلی گھر ہے، جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی کو بجلی تقسیم ہوتی ہے، ایسے جامع صفات مدرسوں اور اداروں کے تحفظ اور بقا کے ہم تمام مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں، اوران کا تعاون کرنا ہمارا ایک اہم دینی فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو مدرسوں کے تعاون کرنے کی توفیق بخشے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدرسہ مفتاح العلوم کے قیام کا تاریخی پس منظر

حضرت الاستاذ مولانا علی حسن صاحبؒ کی نایاب تحریر

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گنج مرادآباد ایک قدیم قصبہ ہے، جو حضرت قطب الاقطاب مولانا شاہ فضل رحماں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پیارا وطن ہے، یہاں بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں، مگر ایک عرصہ سے یہاں کوئی اسلامی ادارہ، یا دینی مدرسہ نہیں رہا کہ جس میں دین کی ضروری اور بنیادی تعلیم کا بھی نظم ہوتا، اس بنا پر یہاں کے عوام مسلمان بیچارے دین سے ناواقف ہو کر بدعات ورسومات میں مبتلا ہوتے جارہے تھے، اب ظاہر ہے کہ آنے والی نسل کا جو حال ہوتا وہ محتاج بیان نہیں، ایسی حالت میں مسلمانوں میں اور ان کی آنے والی نسلوں کو دین اسلام پر قائم ودائم رکھنے کے لیے یہاں اسلامی مدرسہ کا قیام بہت ضروری سمجھا گیا۔

چنانچہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں قصبہ کے چند مخصوص حضرات نے توجہ فرمائی اور مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد کا قیام عمل میں آ گیا، (حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کو جو ترقی دی وہ کسی عام وخاص پر مخفی نہیں، حضرت ۱۶ راگست ۱۹۷۹ء کو مدرسہ مفتاح العلوم میں بحیثیت استاذ تشریف لائے)، مدرسہ مفتاح العلوم درحقیقت جناب صوفی علی حسنؒ کی تحریک کا نتیجہ ہے، ہمیشہ مدرسہ کے سلسلے میں فکر مند رہتے تھے، اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

(صوفی علی حسنؒ صاحب دیندار، سنجیدہ اور متقی انسان تھے، ان کی نسبت بزرگوں سے

یہ معلوم ہوا کہ نیک انسان تھے۔ یکم جون ۱۹۸۵ء کو انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون (مرتب)

ہم کو ان تمام حضرات کا بے حد مشکور ہونا چاہیے، جنہوں نے پھر سے اس سرزمین میں ایک ادارہ قائم کر دیا، ایک وقت وہ تھا جبکہ قطب الاقطاب مولانا شاہ فضل رحماں صاحبؒ تشریف فرما تھے، تمام دور دراز علاقوں اور قرب وجواب کے قصبہ ودیہاتوں میں اپنے فیوض و برکات اور علوم ومعارف سے مالا مال کر رہے تھے، اور آج بھی سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں آپ کا سرچشمۂ فیوض جاری ہے، ہم اسی ذات عالیہ کی سرزمین پر پیدا ہوئے، ہم کو بدعات ومحدثات اور آباؤ واجداد کے رسومات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

محترم بزرگوں اور عزیز دوستو! ایک وقت وہ تھا کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحماں صاحبؒ کے فیوض وبرکات سے ہر کس وناکس مستفیض ہو رہا تھا، اور پوری بستی کے لوگوں پر ہمہ وقت بارانِ رحمت ہوا کرتی تھی۔

اور آج کی حالت دیکھئے اور غور فرمایئے کہ آج کا دور کیسے ماحول میں جا رہا ہے، بات ہم معلوم کر سکتے، مگر آپ کے وصال شریف سے ہماری بستی صحیح راہنمائی اور مربی سے خالی ہو گئی اور کوئی ایک فرد بھی ہماری بستی کو ایسا نہیں ملا جو دین کی مستند اور سنت کے مطابق تعلیم پیش کرتا۔

اب خدا کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے اور اس کی بیکراں نوازش ہے کہ اس نے اس مدرسہ کے قیام کے اسباب مہیا فرمائے، اور آپ حضرات کو ہر طرح کے تعاون کی توفیق عنایت فرمائے۔

بہر حال! ہم آپ تمام حضرات کے مشکور ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحیمی وکریمی سے وہی مرجھائی ہوئی کلیاں پھر سے شاداب ہوتی نظر آئیں گی، اور قوی امید ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صدقے میں اور بزرگانِ دین کے صدقے میں ان شاء اللہ ایک شاداب

اور کھلا ہوا پھول نظر آ جائے گا، کیونکہ یہ صدقہ ہے، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا جہاں بھی پروردگار عالم کا کلام پڑھا جائے اور ذکر کیا جائے وہاں پروردگار (عالم علام الغیوب ہے) نصرت و مدد فرماتا رہے گا، جب پروردگار عالم خود فرماتا ہے کہ تم ذکر کرو میرا میں ذکر کروں گا تمہارا، ہم اپنے پروردگار عالم سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم طلبا کو دین محمدی کی تعلیم سیکھنے کی اور اس کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے اور جو ہمارے معاونین ہیں، ان کو اور جو قرب و جوار کے رہنے والے ہیں اور جہاں بھی ہیں ان کو اور جو حاضرین جلسہ ہیں ان کو اپنے خاص کرم وعطا سے نوازے، اور آئندہ کے لیے بھی آپ حضرات سے قوی امید ہے کہ اسی طرح سے دامے درمے قدمے سخنے غلہ ونقد وغیرہ سے مدرسے کا تعاون فرماتے رہیں گے، پروردگار عالم آپ سب حضرات کو اجر عظیم عنایت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆

پیغام

سیدالسالکین، امام العارفین حضرت علامہ قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم
وحضرت مولانا مبین الحق صاحب قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ جامع العلوم کانپور

آج بروز یکشنبہ بتاریخ ۵/شعبان ۱۴۰۴ھ کو مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد کے جلسہ دستار بندی میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، یہ مدرسہ عرصہ ۸ سال سے قائم ہے اتنی قلیل مدت میں مدرسہ نے جیسی ترقی کی ہے اس کی نظیر بہت کم ملے گی، یہ اراکین کے اخلاص کی برکت ہے، بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا منجانب مدرسہ انتظام رہتا ہے، عام دینی مدارس کی طرح مالی مشکلات سے یہ مدرسہ بھی دوچار ہے، تمام اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ اس مدرسہ کا بھی خیال رکھیں، اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کے لیے بھی سعی فرمائیں، اللہ تعالیٰ اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین

احقر صدیق احمد غفرلہ
جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ
۱۴۰۴/۸/۵ھ
احقر مبین الحق قاسمی غفرلہ
جامع العلوم کانپور

بوئے گل، راہِ گلستاں کا پتہ دیتی ہے

خطیب ملت حضرت مولانا نوازش علی صاحب فیض آبادد امت برکاتہم

نحمد و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

خادم کو بسلسلۂ دستار بندی حاضری کا شرف حاصل ہوا، مدرسہ ہذا کی تعلیمی وتدریسی خدمات کا معائنہ ومطالعہ کیا، قابل اطمینان اور جستجو خوب سے خوب تر پائی، اساتذہ کرام اور طلباء میں تواضع اور خدمت جو علم دین کا خاصہ ہے بفضلہ تعالیٰ پایا، روحانی مسرت ہوئی، مخلص محترم حضرت مولانا علی حسن صاحب اور عزیز محترم اکرام حسین صاحب سلمہ کی جانفشانی وقربانی نے اور مقامی احباب کے تعاون نے مدرسہ ہذا کو شاہراہ ترقی پر لگا دیا ہے، اور ہر تربیت مدرسہ کے روشن مستقبل کا پتہ دیتی ہے، شعبہ حفظ کا نظام وانتظام اطمینان بخش ہے، تعلیمی وتعمیر نظام میں امانت ودیانت کے ساتھ خوبی وخوش اسلوبی پائی جارہی ہے۔

☆بوئے گل راہ گلستاں کا پتہ دیتی ہے☆

اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ بھرپور تعاون فرما کر دونوں جہاں کی سرخ روئی حاصل کریں، دلی دعائیں ہیں۔

خداوند قدوس مدرسہ ہذا کو سرچشمۂ علوم اسلامیہ بنادے، اور گنج مرادآباد کی تاریخ کی نشاۃ ثانیہ پھر زندہ ہوجائے، ایں دعاء از من جملہ جہاں آمین آباد۔

اللہم آمین بحرمۃ سید المرسلین

نوازش علی فیض آبادی

۶رمئی ۱۹۸۴ء، بروز اتوار

احساسِ دل

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جامعی مدظلہ، ناظم مدرسہ انوار العلوم بلگرام، ہردوئی

حامداومصلیاومسلما! خادم کو مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد ضلع اناؤ میں الحمدللہ بار بار حاضری کا شرف حاصل ہوا، برادرم مولانا علی حسن صاحب سلمہ اور ان کے رفقاء کار کو بھی بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد کی ترقیات ان حضرات کے اخلاص کا مظہر ہے، اس سال جلسۂ سیرت پاک سرور عالم ﷺ کے موقع پر چودہ فارغین حفاظ کی دستار بندی اکابرین علماء کے ہاتھوں سے عمل میں آئی، الحمدللہ علی ذلک، اس مدرسہ کی طرف اکابرین امت کی خصوصی توجہات ہیں، ان شاء اللہ زمانِ قریب میں یہ مدرسہ ضلع اناؤ کی ایک مثالی درسگاہ ہوگی، شوال ۱۴۰۴ھ سے ان شاء اللہ تعالیٰ درس نظامی کا بھی سلسلہ شروع ہوجائے گا، بیرونی طلباء کی ایک خاصی تعداد مدرسہ میں مقیم رہتی ہے، جن کے قیام و طعام و نیز دیگر ضروریات کا نظم منجانب مدرسہ ہوتا ہے، مدرسہ کے لیے کتب خانہ ضروری ہے، بقدر ضرورت کتابوں کی فراہمی اور عمارت کا انتظام اشد ضروری ہے، جس کے لیے عزیزم مولانا علی حسن صاحب سلمہ اور ان کے رفقاء متفکر ہیں، مدرسے کے شمالی جانب ایک قطعۂ اراضی بھی خریدی جاچکی ہے، جس کی وجہ سے مدرسہ کچھ زیادہ زیر بار ہوگیا ہے، اراکین مدرسہ کے عزائم قابل ستائش ہیں، اللہ تعالیٰ کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔

خادم اہل خیر حضرات سے گذارش کرتا ہے کہ اس مدرسہ کی طرف آپ حضرات پورے اطمینان وتوقع کے ساتھ خصوصی توجہات دامے درمے قدمے سخنے فرمائیں اور اپنی علمی دوستی ودینی حمیت کا ثبوت دیں، اللہ آپ کو بہتر صلہ عطا فرمائے۔

احقر عبدالغنی

خادم مدرسہ انوار العلوم بلگرام ضلع ہردوئی

۷ر شعبان ۱۴۰۴ھ

آنکھوں دیکھا حال

جناب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مظاہری مدظلہ مدرس مدرسہ انوار العلوم بلگرام

نحمد ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد! آج بتاریخ ۶/اپریل ۱۹۸۳ء بروز چہار شنبہ کو مدرسہ انوار العلوم بلگرام سے مکان جاتے ہوئے بعض وجوہات کی بنا پر بس سے اتر کر گنج مرادآباد آیا، مولوی علی حسن صاحب سلمہ کے دولت کدہ پر قیام کیا، مولوی صاحب مذکور ماشاء اللہ چشم بددور، نوجوان صالح عالم ہیں، بڑی خوبیوں کے حامل ہیں، طبیعت میں سلامت روی اور سنجیدگی پائی جاتی ہے، متواضع ہونے کی وجہ سے بستی اور محلّہ میں بیحد مقبولیت حاصل ہے، تبلیغی جدو جہد کی بنا پر محلّہ کی دونوں مسجدوں کو پر اور آباد پایا، قصبہ مذکور اب سے پون صدی قبل حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کا خاص مسکن رہ چکا ہے، جہاں عرصہ دراز تک علم وعرفان کی ضیاء پاشی ہوتی رہی ہے۔

یہاں ۱۹۷۶ء سے ایک مدرسہ مفتاح العلوم کے نام سے قائم ہے جس کی اہتمامت مولوی علی حسن صاحب کے ذمہ ہے، یہ مدرسہ لب سڑک واقع ہے، کانپور سے ہردوئی اور بالامؤ جانے والے مسافرین بسہولت بسوں اور ریلوں سے مدرسہ ہذا کی دلکش اور پرشکوہ عمارت کا نظارہ کرسکتے ہیں، مدرسہ کا معائنہ بھی کیا، سردست چار مدرسین درس وتدریس کا کام کررہے ہیں، کلام پاک حفظ وناظرہ مع تجوید اور اردو دینیات تا درجہ پنجم کی تعلیم ہوتی ہے، شعبہ حفظ وتجوید مولوی موصوف ہی کے ذمہ ہے، نیز مدرسہ ہذا کا نظم ونسق بھی آپ ہی کے ہاتھوں میں ہے، حفظ کلام پاک بڑے ہی اہتمام اور محنت سے تجوید وترتیل سے

پڑھاتے ہیں، میرے خیال میں بعض خصوصیات کے اعتبار سے ضلع اناؤمیں یہ واحد درسگاہ ہے، ۳۵ رطلباء ایسے بھی ہیں جن کا قیام مستقل مدرسہ میں ہی رہتا ہے، مگران کی رہائش کے لیے اب تک دارالاقامہ تعمیر نہیں ہوسکا فی الحال طلباء درسگاہوں میں رہتے ہیں۔

لہٰذا جملہ برادرانِ اسلام سے گذارش ہے کہ مدرسہ ہٰذا کا خصوصیت کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

محمد یوسف مظاہری

مدرس مدرسہ انوارالعلوم بلگرام

ضروری وضاحت

حضرات اکابر جن کی تشریف آوری کا مدرسہ کو شرف حاصل ہے یہ مولانا کے زمانۂ اہتمام کا نقشہ ہے، اس کے بعد بحمدہ تعالیٰ کثیر تعداد میں اکابر علماء تشریف لاچکے ہیں اور وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ (مرتب)

☆☆☆☆

اسمائے گرامی حضرات اکابرین

جن کی تشریف آوری کا مدرسہ کو شرف حاصل ہے

(۱) سید السالکین حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ ۶/۵/ ۱۹۸۴ء کو منعقد ہونے والے جلسۂ دستار بندی میں شرکت فرما کر فیض رسائی فرمائی

(۲) حضرت مولانا معین الدین صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد نے ۲۵/۲۶/اپریل ۱۹۸۷ء کو منعقد ہونے والے جلسۂ دستار بندی میں شرکت فرمائی۔

(۳) فخر اہل سنت حضرت مولانا عبد العلیم صاحب فاروقی مدظلہ نے ۱۲/۱۳/ اپریل ۱۹۸۱ء کو منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

(۴) حضرت مولانا وصی الدین صاحب مدظلہ جامعہ اسلامیہ کانپور، جنہوں نے متعدد بار جلسوں میں شرکت کی۔

(۵) حضرت مولانا مبین الحق صاحب قاسمی مدظلہ مدرسہ جامع العلوکانپور

(۶) حضرت مولانا عبد الغنی صاحب ناظم مدرسہ انوار العلوم بلگرام، ہردوئی

(۷) حضرت مولانا و مفتی اقبال حسین صاحب مدظلہ، شاہ آباد، ہردوئی

(۸) حضرت مولانا مفتی مفضال الرحمٰن صاحب مدظلہ صدر ایکشن کمیٹی ہردوئی

(۹) حضرت مولانا نوازش علی صاحب مدظلہ فیض آباد

ان کے علاوہ دیگر بہت سے بزرگانِ دین کی تشریف آوری کا مدرسہ ہذا کو شرف حاصل ہے۔

اصلاحی مضامین

مؤلف:
حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمیؒ
سابق مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد، ضلع اناؤ

☆☆☆☆

انتخاب، ترتیب، عناوین
محمد جنید قاسمی

مقصد کی یاددہانی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ
يُطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ.

ترجمہ: اور سمجھا تارہ کہ سمجھانا کام آتا ہے، ایمان والوں کو، اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو، میں نہیں چاہتا، ان سے روزی اور نہیں چاہتا، کہ مجھ کو کھلائیں، اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط۔ (شیخ الہندؒ)

عرض مرتب

امت کی اصلاح کے لیے تحریر وتقریر اور وعظ ونصیحت کا سلسلہ نیا نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں حالات ومشاہدات سے بے چین ہو کر علماء امت نے مختلف انداز میں اس فرض منصبی کو ادا کرتے رہے ہیں، کوئی وعظ وتقریر کے راستے امت کو صحیح باتیں بتاتا رہا، کوئی تحریر اور تقریر دونوں کے ذریعہ گم کردہ راہوں کی ہدایت واصلاح کے لیے اپنی خدمات پیش کرتا رہا، اور کوئی تصنیف وتالیف کے ذریعہ گناہوں کی اندھیری راہوں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہِ حق دکھاتا رہا(۱)، بعض اصحاب نے صدہا ہزار صفحات لکھ کر امت کو صحیح سمت لائے، اور بعض اصحاب نے ''دریا بکوزہ'' کرکے وہی کام کر دیا۔

ماضی قریب کے بے مثال، کثیر التصانیف، صاحب علم وفضل، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ کمال عطا فرمایا تھا، کہ چھوٹے چھوٹے رسائل ہزاروں صفحات پر بھاری ہوتے ہیں۔

سلسلۂ علوم ومعارف کے برصغیر کے علماء وفضلاء نے اپنے اکابر کی کتابوں سے استفادہ کرکے وقت کے تقاضوں کو پورا کیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

انہیں میں سے ایک حضرت مولانا علی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے؛ جنھوں نے وقتاً فوقتاً دینی اور اصلاحی لٹریچر تحریر کیے، یہ مضامین مولانا کی کاپیوں اور ڈائریوں میں محفوظ تھے، احقر نے ان کی تبییض اور تصحیح کرکے بغرض افادۂ عام شائع کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) تذکیر واصلاح ص:۲۳ از مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی زید علمہ، استاذ دار العلوم دیوبند

فضائل زکوٰۃ، صدقات اور عیدین

اللہ رب العزت کو ایک جاننے کے بعد، اس پر ایمان لانے کے بعد، اس کے پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد، سب سے بڑا اور اہم فریضہ نماز ہے، اس کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سی جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے، زکوٰۃ نہ دینے والوں کے سلسلے میں بڑی سخت اور دردناک وعید بیان کی گئی ہے۔

فضیلتِ زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینے والوں کے بارے میں اور اپنے راستے میں خرچ کرنے والوں کے سلسلے میں بڑے فضائل بیان کیے ہیں، ارشاد ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (البقرة: ٢٦١، ٢٦٢)

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں، اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے آگے سات بالیں، ہر بالی میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بے نہایت بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے، جو لوگ خرچ کرتے ہیں مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں، انہیں کے لیے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (ترجمہ شیخ الہند، طبع سعودیہ عربیہ)

تشریح

اس آیت میں زکوۃ دینے والوں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین وعدے فرمائے گئے ہیں:

(۱) ایک وعدہ یہ ہے کہ جتنا وہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس کے بدلے میں سیکڑوں گنا زیادہ دے گا۔

(۲) دوسرا یہ کہ ان کو بڑا اجر وثواب ملے گا اور بڑی نعمتیں ملیں گی۔

(۳) قیامت کے دن ان کو کوئی خوف وخطرہ اور کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔

فضیلت صدقہ

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ صدقہ کرنے کی وجہ سے کوئی شخص غریب نہ ہوگا، دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے فرزند آدم تو میرے غریب اور حاجت مند بندوں پر اور نیکی کے دوسرے کاموں میں میرا دیا ہو مال خرچ کرتا جا تو تجھ کو دیتا رہوں گا۔

برادران محترم! کس قدر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے زکوۃ اور صدقات کے فضائل ذکر فرمائے ہیں، پھر بھی ہماری طبیعت زکوۃ کی طرف مائل نہیں ہوتی، صحابہ کرامؓ کو کس قدر اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر یقین تھا کہ جب حضور ﷺ ان کو فضائل کی باتیں بتاتے اس پر وہ عمل کرنے لگتے۔

زکوۃ ادا نہ کرنے پر وعید

زکوۃ نہ ادا کرنے والوں کے لیے بڑی سخت وعید ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ

بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ یَوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ هٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ. (التوبه: ۳۴،۳۵)

ترجمہ: جو لوگ سونا چاندی یعنی مال و دولت کو جوڑ کر رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو تم ان کو سخت دردناک عذاب کی خبر سنا دو، جس دن کہ آگ دہکائی جائے گی اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے اس کے ماتھے کروٹے اور پیٹھے، یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لیے اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا۔ (ترجمہ شیخ الہند: ۲۵)

تشریح

اس آیت کی کچھ تفصیل حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بھی فرمائی ہے، جس شخص کے پاس سونا چاندی یعنی مال و دولت ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے واسطے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی، پھر اس کو دوزخ کی آگ میں اور زیادہ گرم کر کے اس شخص کی پیشانی کو اور کروٹ اور پشت کو داغا جائے گا اسی طرح بار بار اس شخص کو داغا جاتا رہے گا اور وہ مدت پچاس ہزار سال کی ہوگی۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا، جو گنجا ہوگا اس کی آنکھوں پر سیاہ نقطے ہوں گے۔ پھر وہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا۔ جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔

☆☆☆☆☆

فضائل رمضان المبارک اور شب قدر

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

رمضان المبارک کا مہینہ ایسا مجموعۂ حسنات و برکات ہے، جس کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ آخرت کی بھلائی کے لیے بیش قیمت ہے۔ اور قابل قدر ہے، اس کا اول، آخر، اوسط سب مبارک اور مقدس انوار وتجلیات سے معمور ہے، اس کے دن اور رات برکتوں، سعادتوں سے مالا مال ہے اور بے شمار فوائد ہیں، رمضان شریف میں ایک نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہے۔

عشرۂ اول

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے معمور ہے، دوسرا عشرہ: یعنی درمیانی عشرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے بھرپور ہے، اور آخری عشرہ: عذاب جہنم سے آزادی عطا کرنے والا ہے، اس مہینہ میں معصیت کے شیطانی جذبات پر موت طاری ہو جاتی ہے، اور اس مہینہ میں سرکش شیاطین کو مقید کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ معاصی کی طرف بندوں کو مائل نہ کر سکے، اس مہینہ کی بے انتہا فضیلتوں اور غیر محدود برکات میں سے ایک سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کی تمام مقدس راتوں میں ایک بابرکت رات ہے، جو ہزار رحمتوں کی راتوں سے افضل ہے، اور جو شب قدر کے نام سے موسوم ہے، اللہ تعالیٰ نے شب قدر کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل بتلایا ہے۔

شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”لیلة القدر خیر من الف شهر“ شب قدر

ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے، اور اس زیادتی کا کسی کو علم نہیں؛ کہ ہزار مہینوں سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ جو شخص اس رات کو عبادت میں گذار دے؛ گویا اس نے ہزار مہینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذار دیا، کس قدر اللہ کا احسان کہ تھوڑی سی محنت سے اس قدر ثواب عطا فرمانے کے لیے کیا ہے، لیکن کوئی لینے والا نہیں۔

اجر وثواب کی کمی نہیں

برادران محترم! اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب کی کمی نہیں، اللہ تعالیٰ صرف بہانہ ڈھونڈتا ہے، وہ بہانے کا منتظر رہتا ہے، چھوٹی چھوٹی نیکیوں میں بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کی کوئی زبان نکالتا ہے جس کو وہ کچھ اہم نہیں سمجھتا لیکن؛ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند ہو جاتے ہیں، بہرحال حدیث شریف میں شب قدر کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کے لیے کھڑا ہو یعنی: نماز پڑھے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من قام ليلة القدر ايمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. (كذا في الترغيب عن البخاري و مسلم، فضائل رمضان لشيخ زكريا الكاندهلوي ص: ۳۷، مطبوعه نصير بكڈپو حضرت نظام الدين دهلی ۱۳)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے، جس میں ایک رات ایسی ہے، جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا؛ گویا ساری رات خیر سے محروم رہا۔

عن أنسؓ قال دخل رمضان فقال رسول الله ﷺ إن هذا الشهر قد حضركم وفيه ليلة خير من الف شهر، من حرمها فقد حرم الخير كله

ولایحرم خیرھا الا محروم. (رواہ ابن ماجۃ واسنادہ حسن کذا فی الترغیب والترھیب، وفی المشکوٰۃ عنہ الأکل محروم، فضائل رمضان ۳۸ للشیخ زکریا الکاندھلوی مطبوعہ نصیر بکڈپو حضرت نظام الدین دھلی ۱۳)

رات کی فضیلت اور ثواب عظیم سے محروم ہیں

یقیناً ہم اس مبارک رات کی فضیلت اور ثواب عظیم سے محروم ہیں، دنیاوی کاروبار میں کئی راتیں صرف کردیں گے، لیکن اس رات کی غیر محدود نعمتیں، غیر محدود برکات، غیر محدود ثواب حاصل کرنے کے لیے ایک گھنٹہ بھی جاگنا گوارہ نہیں کرتے، کھیل کود اور غلط محفلوں میں پوری رات صرف کرتے ہیں۔

بزرگان دین اور صحابہ کرامؓ کے شب بیداری کے حالات کو دیکھیں، پوری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذار دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں مشغول رہتے تھے، حضرت عثمانؓ دن بھر روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز میں گذار دیتے، پورا قرآن ایک رات میں ختم کرتے تھے۔(فضائل رمضان للشیخ زکریا الکاندھلوی ص: ۳۸، مطبوعہ نصیر بکڈپو حضرت نظام الدین دھلی ۱۳)

امام ابوحنیفہؒ چالیس برس تک عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔(فضائل رمضان للشیخ زکریا الکاندھلوی ص: ۳۹، مطبوعہ نصیر بکڈپو حضرت نظام الدین دھلی ۱۳)

سعید ابن المسیب پچاس برس تک عشاء کی نماز پڑھتے رہے۔(فضائل رمضان للشیخ زکریا الکاندھلوی ص: ۳۹، مطبوعہ نصیر بکڈپو حضرت نظام الدین دھلی ۱۳)

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ رمضان المبارک میں نہ تو دن میں سوتے اور نہ رات میں سوتے۔(فضائل رمضان للشیخ زکریا الکاندھلوی ص: ۳۹، مطبوعہ نصیر بکڈپو حضرت

نظام الدین دھلی ۱۳)

امام شافعیؒ رمضان المبارک میں دن رات کی نماز میں ساٹھ قرآن شریف ختم کردیتے تھے۔(فضائل رمضان للشیخ زکریا الکاندھلوی ص: ۳۹، مطبوعہ نصیر بکڈپو

حضرت نظام الدین دھلی ۱۳)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان نیک لوگوں میں سے کردے، شب بیداری اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

اس رات کو کس طرح گذاریں؟

ہم لوگوں کو چاہیے کہ پوری رات اللہ کی عبادت میں گذاریں، نہ پوری رات ہو سکے تو نصف ہی رات صحیح گذاریں اور اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو چند گھنٹے ہی اللہ کی یاد میں گذاریں، تاکہ ہم لوگوں کے لیے بھی حضرت جبرئیل اللہ تعالیٰ سے دعائے رحمت ومغفرت کرتے رہیں، حضورﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ شب قدر کو اللہ تعالیٰ نے میری امت پر رحمت فرمائی ہے۔ یہ چیز پہلی امتوں کو نہیں ملی۔

ایک اہم نکتہ

شب قدر اسی امت کو کیوں ملی؟ دوسری امتوں کو کیوں نہیں عطا کی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں پر غور کیا، تو معلوم ہوا کہ ان کی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں، اور آپ کی امت کی عمریں بہت کم ہیں، مشکل سے ساٹھ ستر سال عمریں ہوتی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں پہلی امتوں کی برابری بھی کرنا چاہے تو محال ہے، اس سے حضورﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا: کہ وہ شخص ایک ہزار مہینے تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہا صحابہؓ کو سن کر رشک آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی میں یہ رات عطا فرمائی۔

آج وقتِ صحت ہے، جو کچھ کرنا ہے کرلیا جائے۔ ورنہ کل قیامت کے دن حسرت سے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش: اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو دنیا میں واپس کردیتا، اچھے اعمال کرلیتے، لیکن گذرا ہوا وقت واپس نہیں آتا، حضورﷺ نے شب قدر کو طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شب قدر ۲۷ر ہی تاریخ کو ہو ۲۳/۲۵/۲۷/۲۹ ران راتوں میں سے کسی میں بھی ہوسکتی ہے۔

ایک ضروری بات کی وضاحت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رات کو پوشیدہ کیوں رکھا؟ متعین نہیں کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ شبہ میں نہ رہیں، آج شاید شب قدر ہو، اس شبہ میں رمضان المبارک کی تمام متبرک راتیں، عبادت میں گذار دیں، اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو تمام طاعات میں پوشیدہ اور مخفی رکھا، تمام طاعات کی رغبت پیدا ہو، اس طرح اپنے ولی کو تمام لوگوں میں پوشیدہ کردیا تا کہ: ولی ہونے کے شبہ میں سب کی تعظیم کی جائے، اس طرح موت کے وقت کو پوشیدہ رکھا تا کہ لوگ اللہ سے ڈرتے رہیں، اور اس کی عبادت کی طرف رجوع کریں۔

الغرض اللہ رب العزت نے اس رات کو پوشیدہ رکھا تا کہ ہم اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں خوب عبادت کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆☆

تواضع اور انکساری

خطبہ مسنونہ کے بعد:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

معزز سامعین کرام و بزرگان دین میری ماں اور بہنو! آپ حضرات کے روبرو طلبائے مدرسہ نے بڑے مؤثر انداز میں حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں علیہ السلام کی معاشی زندگی پر روشنی ڈالی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کی توفیق بخشے، آپ حضرات کے سامنے حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں علیہ السلام کی سیرت کے اس پہلو پر روشنی ڈالوں گا، جس کا تعلق تواضع اور انکساری سے ہے۔ امید ہے کہ توجہ سے سماعت فرمائیں گے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں علیہ السلام جن کی عظمتیں حد شمار سے باہر ہوں اور جس کی بزرگی اور بڑائی قوت بیان سے بالاتر ہیں اور جس کو اشرف الانبیاء اور امام الانبیاء کا شرف حاصل ہو، اور جس کو ''لولاک لما خلقت الافلاک'' (الحدیث) کی فضیلت سے نوازا گیا ہو اور جس کے مرتبہ عالیہ کو عارف باللہ حضرت شیخ سعدیؒ نے اس انداز میں ظاہر کیا ہو ''لایمکن الثناء کما کان حقہ☆ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' یعنی حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں علیہ السلام کی ثناء و بحر لب کما حقہ رسائی زبان سے ممکن ہی نہیں، بس مختصراً یہ کہ خدا تعالیٰ کے بعد سب سے بالا و برتر آپ کی ہی ذات مقدسہ ہے۔ تو جس ذات مقدسہ کے مراتب عالیہ کا یہ عالم ہو۔ اس کے اندر تواضع اور انکساری اس قدر تھی کہ؛ وہ اپنے لیے جائز اور درست تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا۔ کہ اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند!

اے ہم میں سب سے بڑا، اور سب سے بہتر کے فرزند، تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگوں! تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو گرادے، میں عبد اللہ کا بیٹا ہوں، اور خدا تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھ کو خدا تعالیٰ نے جو مرتبہ بخشا ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس سے زیادہ بڑھاؤ۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے ''یا خیر البریۃ'' اے مخلوق میں سب بہتر کہہ کر عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ: ہم چند لوگ، ایک مرتبہ حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ حضور آپ ہمارے آقا ہیں، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! آقا خدا تعالیٰ ہے۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ اچھا آپ ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے برتر ہیں، آپ نے فرمایا کہ جب بات کہو تو دیکھو کہ شیطان تم کو چلا تو نہیں رہا۔

یہ تھی تواضع امام الانبیاء سید کائنات شہنشاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جائز اور درست الفاظ بھی اپنی تعریف میں منہ پر پسند نہیں فرمایا کرتے تھے، اسی لیے آپ گھر کے کام کاج خود کر لیا کرتے تھے، کپڑے میں پیوند خود لگا لیا کرتے تھے، جوتے مبارک پھٹ جاتے، تو آپ خود سی لیا کرتے تھے، ضرورت پڑ جاتی تو گھر میں خود جھاڑو دے لیا کرتے، حمار اور دراز گوش کی سواری سے آپ عار نہ فرماتے، غلاموں اور مسکینوں کے پاس بھی آپ بیٹھتے، اور ان کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے، غریب سے غریب آدمی جب بیمار ہو جاتا، تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ اور جب کسی مجلس و محفل میں تشریف لے جاتے، تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے، تواضعاً آپ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا کرتے اور ارشاد ہوتا کہ میں بندہ ہوں اور بندوں ہی کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں ہی کی طرح

بیٹھتا ہوں، ایک مرتبہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی لوگ زیادہ تھے تو آپ اکڑوں بیٹھ گئے، تاکہ جگہ نکل آئے، ایک دیہاتی بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا کہ اے محمد! یہ انداز نشست کیسا؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو خاکسار بندہ بنایا ہے، جبار وسرکش اور متکبر نہیں بنایا، آپ کے کمالِ تواضع کا اندازہ کیجئے، کہ جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہم مل کر کوئی کام کرتے، تو ہمیشہ آپ بھی ان کے ساتھ کام میں شریک ہوتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد سب سے پہلا کام، مسجد نبوی کی تعمیر تھی، اس مقدس مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کی طرح آپ بھی بنفس نفیس شریک کار تھے، خود اپنے دستِ مبارک سے اینٹ اٹھا کر لے جاتے تھے، صحابہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، ہم خادمین سب کام کریں گے، مگر آپ اپنے فرض سے باز نہ آئے، غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مدینہ منورہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے۔ وہیں آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کھودنے میں مشغول تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی کی تہہ جم گئی تھی۔

ایک مرتبہ سفر میں کھانا پکانے کی ضرورت پڑ گئی، صحابہؓ نے باہم مل کر کھانا پکانے کا بندوبست کیا اور سامان اکٹھا کرنے کے لیے کام آپس میں تقسیم کر لیے، جو کام سب سے اہم اور مشکل تھا یعنی جنگل سے لکڑیاں لانا، اس کو حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ سب کام ہم خادمین کر لیں گے آپ نے فرمایا: کہ ہاں ٹھیک ہے۔ مگر یہ پسند نہیں کہ تم سے ممتاز رہوں، خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز رہتا ہے، یہ تھا کمالِ تواضع اور غایت درجہ خاکساری، اس ذات مقدسہ کے اندر جس کی عظمت اور بزرگی کو ہماری زبان بیان کرنے

سے قاصر ہے، زبان اور لغت کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں، جن سے آپ کی عظمت اور بزرگی کی ترجمانی کی جائے۔

آج ہم کچھ بھی نہیں ہیں، مگر تکبر اور بڑائی، غرور و گھمنڈ، رگ رگ میں بھرا ہوا ہے، اپنے کو اچھا سمجھنا، دوسروں کو ذلیل شمار کرنا ایک عام وبا پھیلی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رب صل و سلم دائما ابدا ☆ علی حبیبک خیر الخلق کلهم

علی حسن غفرلہ

۱۹۸۰/۱۲/۲۶

قلمی

عالم اسباب میں چین سے رہنے کی وجوہات

الحمدلله نحمده و نستعينه و نستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا اما بعد.

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم

قال الله تعالیٰ: وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوْا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَمِنْهُمْ اُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُوْنَ. (المائدہ: ٦٦)

ترجمہ: اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اس کو جو کہ نازل ہوا ان پر، ان کے رب کی طرف سے، تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے، کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر، اور بہت سے ان میں برے کام کر رہے ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

بزرگانِ محترم! میں بہت مختصر وقت میں چند ضروری باتیں گوش گزار کرتا ہوں، اسی کے مناسبت سے میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے، اس وقت اس آیت کی تفسیر و تفصیل مقصود نہیں ہے بلکہ؛ صرف چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس وقت دنیا کی ہر قوم پر مصائب آرہے ہیں، بالخصوص مسلمان بہت ہی زیادہ ابتلاء اور آزمائش میں مبتلا ہیں، بہت سی آفات ظاہری و باطنی، دین کی طرف توجہ کی کمی، اس وجہ سے مصائب غرضیکہ اپنی قوم زیادہ آزمائش میں مبتلا ہے، کسی قوم کے عالم اسباب میں چین سے رہنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں: (۱) رزق اس کو مل رہا ہو (۲) امن وسکون ہو، یہی دو بڑی چیزیں ہیں، اگر بدامنی ہوجائے، تو جان خطرہ میں، کھانے کی کمی ہوجائے تو اقتصادی مشکلات، ظاہر ہے کہ اس سے قوم کا سکون رخصت ہوجاتا ہے، اسی کو قرآن کریم

نے ارشاد فرمایا ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ. (النحل: ۱۱۲)

ترجمہ: اور بتلائی اللہ نے ایک مثال، ایک بستی تھی چین امن سے چلی آتی تھی، اس کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے، پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ ان کے تن کے کپڑے گئے بھوک اور ڈر، بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

لباس جس طرح بدن پر فٹ ہو جاتا ہے اس طرح بھوک ان پر فٹ ہو گئی، ان کی جان میں امن سے قلوب مطمئن رہتے ہیں، کھانے پینے سے بدن سالم رہتا ہے، وہی حالات اس وقت پیش آ رہے ہیں، دوسرے پر گزرتی ہے تو پتہ نہیں چلتا ہے، لیکن جب اپنے اوپر گزرتی ہے تو احساس زیادہ ہوتا ہے حتی کہ بعض اوقات کفر کے کلمات زبان پر آ جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم ہی پر مصیبت آ پڑی، ہم ہی اسلام کا نام بلند کرتے ہیں، بعض اوقات للّٰہیت کے کلمات زبان پر آنے لگتے ہیں، پڑھے لکھے اور دین داروں سے سننے میں آتے ہیں، جن سے حق تعالیٰ کی شکایت نکلتی ہے، اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں، اور یہ جواب اپنی طرف سے نہیں ہوگا، بلکہ یہ مختصر سا جواب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہوگا۔

وعن معاذ قال كنت ردف النبي ﷺ على حمار ليس بيني و بينه الا مؤخرة الرحل فقال يا معاذ هل تدرى ما حق الله على عبادة و ما حق العباد على الله قلت الله ورسوله اعلم قال حق الله على ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا و حق العباد على الله ان لا يعذب من لايشرك به شيئا قلت يا رسول الله افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فيتكلوا. (متفق عليه مشكوٰة ۱۳-۱٤، كتاب الايمان، مطبوعه مكتبه رشيديه سهارنپور، بخارى، كتاب الرقاق، باب من

جاهد نفسه فی طاعة الله رقم: ٦٥٠٠)

حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی سواری پر سوار تھے، آپ آگے اور میں پیچھے تھا، میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں تھا، صرف ایک کھونٹی درمیان میں تھی، کیونکہ جب دو آدمی سوار ہوتے ہیں تو ایک آدمی آگے ہوتا ہے وہ تو لگام کو سنبھالتا ہے، درمیان میں زین کے ایک کھونٹی ہوتی ہے جس کو پیچھے بیٹھنے والا ردیف پکڑتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یا معاذ! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! حاضر ہوں میں، اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا یا معاذ! میں نے جواب میں عرض کیا لبیک یا رسول اللہ حاضر ہوں میں، اس کے بعد پھر آپ نے کلمات مذکورہ دہرائے اور پھر میں نے وہی جواب دیا، اب سوال یہ ہے کہ حضرت معاذ دور نہیں تھے، تو پھر آپ نے بار بار پکارا کیوں؟ ان کے درمیان میں کوئی فاصلہ بھی نہیں تھا، اور اس کا بھی احتمال نہیں کہ آواز نہیں پہنچتی تھی، پکارا تو غائب کو جاتا ہے وہ تو حاضر تھے، پھر ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ اور ہر مرتبہ حضرت معاذؓ جواب میں لبیک بھی کہہ رہے ہیں، جس سے واضح اور ظاہر ہے کہ ہر مرتبہ حضرت معاذ سن رہے ہیں، اتنے قریب کے باوجود پھر سوال و جواب کی کیا وجہ ہے، برادرم! حقیقتاً اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کوئی اہم بات کسی کو کہنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، تاکہ اس کے اندر شوق خوب پیدا ہو جائے، اور وہ شوق مجسم بن جائے، جب شوق نہ ہو تو آدمی کے دل میں قطعاً بات بیٹھتی نہیں ہے، ایک کان سے سنی دوسرے کان سے نکال دی، لیکن آدمی جب قلب کے تمام گوشوں سے متوجہ ہوگا، تو بات جا کر سیدھی قلب پر پہنچے گی، اور قلب میں راسخ ہو جائے گی، انبیاء علیہم السلام پہلے شوق پیدا فرماتے ہیں، پھر بات عرض فرماتے، تاکہ نصیحت رائیگاں اور ضائع نہ ہو۔

برادرام! اہل اللہ انتظار کرتے ہیں کہ قلبی رجحان پیدا ہو جائے، یہ شیوہ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا ہے، اہل اللہ نے انہیں سے سیکھا ہے، اگر ظرف صحیح ہے تو جو چیز بھی ڈالیں گے، وہ اس میں پڑ جائے گی، اگر ظرف الٹا ہے تو جو چیز ڈالیں گے، اس میں نہیں پڑے گی، بلکہ ساری کی ساری نیچے گر جائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دفعہ آوازیں دینے کا مقصد یہ تھا کہ ہمہ تن متوجہ ہو جائیں مجھے کچھ سنانا ہے، پھر اس کے بعد آپ نے مضمون ارشاد فرمایا: وہ مضمون دل کے اندر اتر گیا، آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے، حضرت معاذ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور اس کی عبادت کامل ہو توحید اس کو کہتے ہیں: جس کے اندر شرک کا شائبہ نہ ہو۔ دین کی بنیاد ہی توحید پر ہے، ایک مقام پر خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا کہ جس کو ہم نے یہ ہدایت نہ کی ہو، کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، توحید کے معنی صرف ایک جاننے کے نہیں ہیں، اگر ایسا ہی ہوتا تو آپ بھی اپنی ذات میں ایک ہیں بلکہ توحید کے معنی ہیں، یکتا ہونے کے اس کی کوئی نظیر نہیں، کوئی اس کی ضد نہیں، کوئی اس کا مثل نہیں، یہ ہیں توحید کے معنی، نہ اس کی شان جیسی کسی کی شان ہے اور نہ اس کی ذات جیسی کسی ذات ہے، نہ اس کے افعال جیسے کسی کے افعال ہیں، وہ ہر چیز میں یکتا ہے اور بے مثل ہے، ہماری اور آپ کی ذات صرف ڈیڑھ گز میں محدود ہے اور اس کی ذات اور شان غیر محدود ہے، کوئی ذرہ ایسا نہیں جہاں وہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود، ہماری ذات محدود ہے، اگر اللہ کی ذات کو محدود مانو گے؛ تو محدود کے اجزاء ہوتے ہیں، تو یہ جز بن گیا، اور جز کو کل کی ضرورت ہے، اللہ کی ذات مطلق ہے، وہ مقید نہیں، اگر مقید مانو گے، تو ہر مقید کے اندر مطلق ہوتا ہے، تو اس کے اوپر کوئی مطلق ہوگا، اور یہ محال ہے، ہر ایک ذات محدود ہے جو ہر عرض کے لحاظ سے

محدود ہے،حق تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے، ماضی میں بھی اس کی شان اور مستقبل میں بھی اس کی شان اور حال میں بھی اس کی شان، ہر زمانے میں اس کی شان ہے، مکانوں پر وہ حاوی، زمانوں پر وہ حاوی، ہر شیٔ اس کی قید ہے وہ شیٔ کی قید نہیں، اس کی رحیمی وکریمی کو دیکھو تو اس کی کوئی حد نہیں، اس کی خبیری وبصیری کو دیکھو لامحدود ہے، صفات بھی لامحدود، افعال بھی لا محدود، آسمان بنا دیا، زمین بنا دی، چوپائے بنا دیئے، شمس وقمر بنا دیئے، ظاہر ہے کہ جب ایسی ذات ہوگی تو اس کے سامنے جھکنا پڑے گا، لیکن علی الاطلاق اس کے آگے ہوگا جس کی ذات علی الاطلاق ہے، بندہ جب جھکتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں انتہائی ذلیل ہوں اور تو انتہائی عزت والا ہے، عزت اسی کی ہے، تو ذات اسی کے سامنے پیش کرنے ہوگی، سب سے زیادہ مقدس طبقہ انبیاء علیہم السلام کا ہے وہ خود فرماتے ہیں: کہ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، اگر مجھ پر فدا کرے تو میں کچھ نہیں کرسکتا ہوں، وقار اتنا ہے کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبری سے نوازا ہے، ورنہ میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں، کسی پیغمبر نے یہ نہیں فرمایا کہ میری عبادت کرو، قرآن شریف میں صاف موجود ہے کہ:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. (آل عمران: ۷۹)

ترجمہ: کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ، جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

کسی بشر کو جس کو علم نبوت وحکمت دی گئی ہو، جائز نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میری عبادت کرو، بلکہ کہے گا رب والے بن جاؤ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو، اس لیے کہ عبادت

کے معنی ہیں، غایتِ تذلّل، انتہائی ذلت کے اور انتہائی ذلت اسی کے سامنے ہوگی، دین کی بنیاد ہی توحید ہے، تو جب توحید آئے گی تو شرک ختم ہو جائے گا، اسلام نے دین کو کامل کیا ہے، اس واسطے اسبابِ شرک سے بھی منع کیا گیا ہے، اور ردِ شرک کا حکم بھی دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، جب نماز میدان میں پڑھتے تھے تو سُترہ بجائے سامنے رکھنے کے ادھر ادھر رکھا کرتے تھے، تاکہ مشابہت لازم نہ آئے کہ اس سترہ ہی کی عبادت کر رہا ہے، اسلام نے شرک ایہامی سے بچایا، شرکِ وہمی سے بھی بچایا، شرک وہمی بھی ناجائز ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض شرک اتنے دقیق اور باریک ہیں کہ اگر پتھر پر رہتا ہو اس پر چیونٹی چلے تو کچھ پتہ نہیں چلتا، اسی طرح بعض شرک اتنے دقیق اور باریک ہیں کہ ہو جاتے ہیں پتہ نہیں چلتا، ریا بھی ایک شرک ہے، نماز پڑھ رہا ہے، تاکہ دوسرے لوگ دیکھیں کہ بڑا متقی اور بڑا پرہیزگار ہے، یہ بھی شرک ہے، اور اس سے بھی دقیق شرک، وہ دل کا شرک ہے کہ اس خیال سے عبادت کر رہا ہے کہ شاید ایسی عبادت کسی نے نہیں کی ہوگی، چونکہ توحید کو اسلام نے حدِ کمال پہنچایا ہے، اسی طرح ردِ شرک کو بھی کمال تک پہنچایا ہے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ میرے دل میں غیر اللہ کا خیال بھی ہو جاوے تو میں مرتد ہو گیا، تخیل سے مراد ہے، دل میں تھوڑی سی جگہ بھی پکڑ لے، شرک کے درجات مختلف ہیں: (۱) شرک جلی یہ ہے کہ کھلے ہوئے دو معبود سامنے ہوں جیسے کہ بعض قوموں نے کیا، دوسرے یہ کہ معبود تو ایک ہی مانے لیکن دوسرے امور میں اللہ کا شریک مانے کہ صحت دینے والا فلاں ہے، بیماری دینے والا فلاں ہے، کھانا دینے والا یہ ہے، پانی برسانے والا وہ ہے وغیرہ۔ یہ شرک خفی ہے، مشرکین مکہ اس شرکِ ثانی میں مبتلا تھے، خدا تو ایک ہی مانتے تھے، لیکن دیگر امور میں اللہ کا شریک، بہت سے مانتے تھے، مکہ میں جا کر تو کہتے تھے کہ اے اللہ میں حاضر

ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے مگر جس کو تو نے خود ہی شریک بنالیا ہے ان کو ہم بھی مانتے ہیں، یہ شرک فی الذات نہیں تھا بلکہ شرک فی الصفات تھا، اور ایک شرک فی العبادات ہے، ایک شرک فی الافعال ہے، ایک شرک فی الذات ہے اور ایک شرک فی الصفات ہے، حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ ایسا عمل کریں کہ اس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو، سب توحید پر جمع ہوں، غرضیکہ لا الہ الا اللہ یہ بنیاد ہے، اگر توحید نہ مانی جائے تو آگے مذہب کی گاڑی نہ چلے گی، اعتقاداً صرف توحید کافی نہیں ہے، بلکہ عملاً ایسا عمل کر کے دکھلانا چاہیے کہ جس سے توحید ثابت ہو جائے، رات اور دن کا انقلاب کبھی رات آتی ہے اور دن جاتا ہے اور کبھی دن آتا ہے رات جاتی ہے، جب رات آئے تو بتلا دیا گیا کہ دعاء پڑھو تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ رات ہی معبود ہے، اور جب سورج نکلے تو پھر بتلایا گیا کہ دعا پڑھو تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ سورج ہی معبود ہے، ہم اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو یکتا ہے اور کوئی اس کا ساتھی نہیں ہے۔

ایک ذات کی عظمت مانو کہیں ایسا نہ ہو کہ سورج کو معبود ماننے لگو، دن کے بعد رات آئی فوراً متوجہ کیا "**اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَ اِدْبَارُ نَهَارِكَ**" تیرے ہاتھ میں پوری کائنات ہے، میری مغفرت فرما۔

سونے کے لیے فوراً متوجہ کیا اور فرمایا کہ کہو "**اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ أَحْيَا.** (بخاری: ٢/٩٣٤، مسلم: ٢/٢٠٨)" تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا"۔

حیات بعد الممات ہوگا تو فوراً متوجہ کیا کہ کہو "**الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیه النشور.** (بخاری: ٢/٩٣٤، مسلم: ٢/٣٤٨)"

گویا کہ خاتمہ بالخیر کی مشق کرائی جارہی ہے، ہر روز اللہ کے نام پر مرتے ہیں تاکہ

موت اصلی خاتمہ بالخیر ہی پر ہو، گھر سے باہر نکلو تو پھر دعاء بتلائی کہ "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ" اے اللہ گھر سے باہر نکل رہا ہوں، تجھ پر توکل کرتا ہوں، تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ذلت میں گرفتار ہو جاؤں، ممکن ہے کہ دوسری چیز اپنی طرف مشغول کرے، شرک کا خیال پیدا ہو جائے، مسجد میں قدم رکھا تو بتلایا کہ دعاء پڑھو، مسجد سے نکلو تو دعاء پڑھو، بازار میں جاؤ تو بتلایا یہ دعا پڑھو، تاکہ تم ہر موضع پر اللہ کی طرف متوجہ رہو، بازار میں جاؤ کوئی چیز خریدنے کے لیے اور تمہارے پاس پیسے موجود ہوں، تب بھی دعاء مانگو کہ اے اللہ مجھے اتنے پیسے دیدے تاکہ میں اس سے سامان خرید سکوں اور اسباب کی طرف توجہ نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب کی طرف توجہ رہے، دوستوں سے ملاقات کرو اور مصافحہ کرو تو دعا بتلائی ان سب کو سکھلا کر اللہ پر بھروسہ سکھلا دیا ایک طرف اعتقادی توحید اور ایک طرف عملی توحید اور ایک طرف خیالی توحید صحابہ کی ترتیب اس پر ہوتی تھی، بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا ہم میں ایمان باقی نہ رہا، پھر عمل کہاں باقی رہا، کیونکہ ایسے وساوس آتے ہیں، قلوب میں ان کے باقی رہتے ہوئے ایمان باقی نہیں رہ سکتا، کبھی وسوسہ آتا ہے کہ سورج موجود ہے زمین موجود ہے، آسمان موجود ہے ان سب کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ ان سب کو کس نے پیدا کیا؟ تو فوراً ذہن میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا، اور ہر موجود کے لیے موجد کی ضرورت ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ موجود ہے، خیال آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کا موجد کون ہے؟ اور اس کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (مستفاد از مشکوٰۃ ص:۱۸، باب الوسوسۃ)

جب ایسا خیال آتا ہے تو پھر ایمان کیسے باقی رہا، حضور اکرم ﷺ نے فوراً اس کے علاوہ فرمایا آپ نے پوچھا کہ جو وسوسہ آتا ہے اس کو تم برا سمجھتے ہو یا نہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اس کو اتنا برا سمجھتے ہیں کہ جل کر خاک ہو جانا گوارا کرتے ہیں لیکن ان وسوسوں کا آنا ہم گوارا نہیں کرتے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا اس کو برا سمجھنا عین ایمان کی دلیل ہے۔ اگر

ایمان نہ ہوتا تو تم اس کو برا نہ سمجھتے، عملی زندگی بھی بن گئی۔ (مستفاد از مشکوۃ ص:۱۸، باب الوسوسۃ)

برادرانِ اسلام! صحابہ ہر شرک سے احتیاط کرتے تھے، شرک کا تعلق ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی ہے، جب یہ کمال حاصل ہوگا تو کہا جائے گا کہ بندہ کامل ہوگیا، عبادت کے اندر ذرہ برابر بھی شرک نہ ہو، نہ عملاً نہ اعتقاداً اور نہ خیالاً، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "**ما حق العباد علی الله تعالی**" یعنی بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ حق سے مراد حق واجب نہیں ہے بلکہ خود اللہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اس وجہ سے کہا گیا اس پر بندوں کا حق ہے؟ کہنا چاہیے اللہ نے وعدہ فرمالیا ہے۔

حضرت معاذؓ نے عرض فرمایا کہ "**الله و رسوله اعلم**" حضور اکرم ﷺ نے عرض کیا کہ بندہ کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب بندہ اس کی عبادت کرے اور توحید کامل ہو علماً و عملاً و اعتقاداً تو اللہ پر لازم ہے کہ رزق دے اور رزق عام ہے خواہ کھانے کا ہو یا پینے کا، عزت و اقتدار کا امن اور سکون کا ہو، فرحت و خوشی کا ہو، ہر قسم کا رزق یہاں پر مراد ہے، گویا بندہ اور خدا کا معاہدہ ہوگیا ہے کہ تم عبادت کرو میں تم کو رزق دوں گا، خدا تعالیٰ نے ایک کام اپنے ذمہ لے لیا ہے اور ایک کام بندہ کے ذمہ کر دیا ہے۔

ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى**".

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو حکم دیجئے نماز کا اور اس پر آپ بھی پابندی کیجئے، ہم آپ سے روزی نہیں مانگتے، ہم آپ کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔ (سورہ طٰہٰ، اضواء البیان فی ترجمۃ القرآن)

یعنی اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کرتے رہو اور خود بھی اس پر جمے رہو، ہم تم سے کچھ نہیں مانگتے ہیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو دیں گے، قاعدہ کی بات ہے کہ معاہدہ کرنے

والے میں سے ایک فریق بھی خلاف ورزی کرے تو دوسرے فریق پر لازم نہیں رہتا، کہ وہ وعدہ وفا کرے، اللہ نے بندہ پر لازم کیا تھا، کہ عبادت کرے اگر بندہ خلاف ورزی کرے تو اللہ کے ذمہ لازم نہیں کہ اس کو رزق عطا فرمادے، لازم جب ہے کہ بندہ معاہدہ میں پابند رہے، جو وعدہ ہم نے کیا تھا اگر ہم اس کو نبھا رہے ہیں، تو موقع ہے کہ رزق مانگیں اگر وعدہ کو نبھا نہیں رہے ہیں، تو کوئی حق نہیں ہے کہ رزق مانگیں، اگر دیکھا جائے تو لوگوں کے یہاں نہ عبادت کا ذکر ہے نہ روزے کا تذکرہ ہے جس طرح رہوان کے لیے مال غنیمت ہے جب کھانے میں حلال وحرام کی تمیز نہیں رہی تو توحید کہاں آئے گی، غیروں کے سامنے جھکنا ان سے مرادیں مانگنا یہ خود مسلمانوں میں موجود ہے۔

ایک موقع پر فرمایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو نصیحت کی، بعض لوگوں نے سوال کیا کہ اس قوم کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کے واسطے عذاب طے ہو چکا ہے، اور جو ہلاک ہونے والے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اس لیے تا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عرض کردوں کہ جو کام آپ نے سپرد کیا تھا، ہم نے اس کو پورا کردیا، یہ ذمہ داری نہیں تھی کہ دوسروں کو بنا بھی دیں، دوسرا جواب یہ تھا کہ شاید ان میں سے کوئی ہدایت پا جائے، اور ساری محنت وصول ہو جائے، ایک کی وجہ سے لاکھوں کو نصیحت کر رہے ہیں، ہمارے ذمہ ہے نصیحت کر دینا، اور راستہ پر چلا دینا یہ ہمارے بس کی بات نہیں، آپ اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو خود بھی ڈرنا چاہے، انبیاء علیہم السلام کا کام ہے ہدایت کر دینا، اور ہدایت پر ڈالنا یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

بہر حال اللہ کا حق بندہ پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت واطاعت کرے، اگر ایک فریق نے معاہدہ کے خلاف کیا ہے تو ایک طرف معاہدہ ختم ہو گیا، ہم کو اپنی حالت دیکھنی چاہیے، عام حالت یہ ہے کہ نہ دین کی تعلیم کی طرف توجہ ہے نہ ایمان کی فکر ہے، چند مخصوص لوگ

ہیں جن کو کچھ دین کی فکر ہے، کروڑوں میں دس بیس سمجھنا چاہیے، قوم جب اچھی ہے جب اکثریت اچھی ہو، جب اکثریت اچھی نہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے عہد شکنی کی ہے، یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ اس عہد شکنی کے باوجود رزق دیتا ہے، اللہ کا وعدہ تو عبادت کی شرط کے ساتھ مشروط تھا، شکایت کا کوئی موقع نہیں ہے، پھر ایسے موقع پر شکایت کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

بہت سی جماعتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقابلے میں آئی ہیں، بلکہ کہنے والے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چیلنج دیا ہے کہ پیداوار نہیں ہوگی اور ہم اس چیلنج کو قبول کرتے، ہم زمین سے پیدا کریں گے، اور غلہ نکالیں گے، ایسی صورت میں تو عذاب آجانا چاہیے تھا لیکن عذاب نہ آیا، یہ صرف تاجدار مدینہ ﷺ کا طفیل ہے، اور اللہ کا فضل ہی فضل ہے، اگر اللہ تعالیٰ عدل پر آجائیں تو ایک ذرہ برابر بھی کسی کو نہ ملے، ہم کو شکایت اپنے نفس کے حال کی کرنا ہے، دنیا تو عالم مکافات ہے۔

قرآن کہتا ہے "ان تنصر الله ينصر كم" (سورہ محمد) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا، اللہ تعالیٰ کی مدد یہ ہے کہ اس کے دین کی مدد کی جائے، ایک جگہ ارشاد ربانی ہے "فاذكروني اذكركم" (سورۂ بقرہ) تم مجھ کو یاد کرو تو میں تم کو یاد کروں گا، حدیث میں ہے "مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ" اگر بندہ کو شوق نہیں تو ہمیں بھی شوق نہیں ہے، بندہ کو محتاج ہو کر شوق نہیں ہے ہم تو غنی ہیں، ہمیں کس کا شوق ہے۔

حدیث میں ہے جو ایک بالشت میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف دو بالشت آؤں گا، اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھ کر آئے گا میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھ کر آؤں گا، اور جو میری طرف دوڑ کر آئے گا میں اس کو آغوش رحمت میں اٹھا لوں گا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ

عَبْدِيْ بِيْ، وَ اَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

(رواه البخاري، باب قول الله تعالىٰ: ويحذركم الله نفسه ٦/٢٦٩٤، طبع دار ابن كثير بيروت، بحواله منتخب احاديث، علم و ذكر ص: ٣٣١)

یہ سب اس کا فضل ہی فضل تو ہے، اللہ تعالیٰ عرض کرتا ہے کہ اے بندو! مجھ کو صحت میں یاد کرو میں تم کو بیماری میں یاد کروں گا، تم مجھے تونگری کے زمانے میں یاد کرو تو میں تم کو مفلسی کے زمانے میں یاد کروں گا، غرضیکہ یہ دنیا عالم مکافات ہے، اگر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حقوق ادا کریں گے تو وہ ہمارے حقوق ضرور ادا کرے گا، کیا ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حقوق ادا کررہے ہیں، اگر نہیں اور حقیقت میں نہیں ادا کررہے ہیں، تو پھر ہم شکایت کیوں کرتے ہیں، چند لوگ نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کے پابند ہیں، وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے حقوق کو بخوبی ادا کررہے ہیں، اور یہی دین ہے۔

میرے محترم بزرگو! صرف نماز پڑھنا اور صوم وزکوۃ کی پابندی کرنا، حج کو ادا کرنا کافی نہیں بلکہ حق العباد نہایت ضروری ہیں، استاذ شاگرد کا حق ادا کرے اور شاگرد استاذ کا حق ادا کرے، بیوی شوہر کا حق ادا کرے شوہر بیوی کا حق ادا کرے، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا حق ادا کرے، امیر غریب کا حق ادا کرے، حقوق کا بہت ہی وسیع میدان ہے، اسے لوگ دین ہی نہیں سمجھتے ہیں، ادائے حق العباد خدا کے حکم کی تعمیل ہے، یہی تعمیل حکم عبادت ہے، تو گویا کہ ادائے حق العباد حقیقت میں اداءِ حق اللہ ہے، اگر حقوق العباد تلف ہوگئے تو وہ کبھی بھی معاف نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ خود معاف نہ کرے، حقوق العباد اتنے اہم ہیں کہ ان کو عبادت سے بھی زیادہ اہمیت دی گئی ہے، اگر معاملات صحیح ہیں تو سمجھا جائے گا کہ واقعی دیندار ہے، حدیث میں ہے اگر کسی کے دیوار کے نیچے فاقہ زدہ لوگ موجود ہیں اور وہ

ان کی خدمت نہیں کرتا تو اس کے روزے اور نمازیں قبول نہیں ہوں گی، لوگوں نے نماز اور روزہ کو دین کا معیار سمجھ رکھا ہے۔

برادرانِ اسلام! اس سے انکار نہیں بیشک نماز روزہ وغیرہ دین ہے لیکن تکمیل دین کے لیے ضروری ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ ادائے حقوق العباد بھی ہوں، کریمانہ اخلاق ہوں، معاملات میں سچائی ہو، دین ایک وسیع چیز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ادخلوا فی السلم کافۃ'' دین کے اندر پورے داخل ہو جاؤ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تبییض: محمد جنید

۱۴۳۱/۱۲/۱۱ھ مطابق ۲۰۱۰/۱۱/۱۸ء
بوقت ۱۰ بجکر ۵۲ منٹ، شب جمعرات

مصائب و پریشانی کی وجوہات

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطن الرجمن بسم اللہ الرحمن الرحیم "وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ" (پ: ۲۵، آیت: ۳۰)

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آج مسلمان طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں، انفرادی مشکلات مستقل گھیرے ہوئے ہیں، اور اجتماعی تفکرات علاحدہ دامن گیر ہیں، غربت اور افلاس بھی بنسبت دوسری اقوام کے مسلمانوں ہی میں بڑھتا چلا جا رہا ہے، نیز جگہ جگہ فسادات اور خونریزیاں بھی کثرت سے ہو رہی ہیں، جس میں مسلمانوں ہی کا جانی و مالی زیادہ نقصان ہوتا ہے، غرضیکہ ہر نوع کی تباہی و بربادی جس میں مسلمان مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں، آخر اس کی اصل وجہ کیا ہے؟

میرے بزرگو! اسی سلسلے میں چند منٹ عرض کروں گا، امید ہے کہ پورے استغراق سے سماعت فرمائیں گے، قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی مصائب و پریشانی کی وجہ خود مسلمانوں ہی کی بداعمالیاں ہیں، جیسا کہ پارہ ۲۵ر رکوع:۵ر کے اندر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **"وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ"** (پ: ۲۵، آیت: ۳۰)۔

مگر افسوس صد افسوس! دل کو لرزا دینے والی آیات و احادیث سن کر بھی آج مسلمان پر جوں نہیں رینگتی اور ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا، باوجود اس کے کہ اللہ کے سچے رسول ﷺ نے جن جن گناہوں پر جو جو مصائب و حوادث بیان فرمائے ہیں، آج وہ سب ہم لوگ

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، حضورﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ جب امت طرح طرح کے گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائے گی تو اس وقت مصیبتیں پے در پے لگا تار اس طرح نازل ہوں گی، جس طرح تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جانے سے تسبیح کے دانے لگا تار گرنا شروع ہو جاتے ہیں، کیا ہم اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں رہے ہیں۔

بہر حال اس تھوڑی سی تفصیل کے بعد ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے وہ یہ ہے کہ بمصداق آیات واحادیث کے کہ مسلمانوں کا پریشانیوں میں مبتلا ہونا یہ عموماً گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور معصوم بچوں پر مصیبتوں اور پریشانیوں کے نزول کا کیا سبب ہے، جبکہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔

میرے بزرگو! ان معصوم اور نیک لوگوں کے مصائب اور پریشانیوں کے وجوہات اور اسباب دوسرے ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! ایک سوال اور آپ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ ابھی آیات واحادیث کی روشنی میں بتایا ہے کہ گنہگاروں کی تباہی و بربادی کے وجوہات عام طور سے گناہ اور معصیت ہی ہوتے ہیں۔

تو اس اصول پر لازم آتا ہے کہ مشرکین اور کافرین کو بنسبت گنہگار مسلمانوں کے زیادہ تباہ و برباد ہونا چاہیے، کیونکہ کفر اور شرک سب سے بڑے گناہ ہیں، اور ایسے خطرناک گناہ ہیں جن پر ہمیشہ ہمیش کی جہنم واجب ہو جاتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اندر مسلمانوں کے مقابلے میں یہ مشرکین اور کافرین زیادہ خوش حال اور خدا کی نعمتوں سے زیادہ مالدار ہیں اور یہی لوگ زیادہ ترقی یافتہ اور فلاح یاب ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

میرے بزرگوں! دیکھو دنیا کے اندر مسلمانوں سے کچھ نیکیاں بھی صادر ہوتی ہیں۔

(وعظ: حضرت مولانا علی حسن صاحب قاسمی فہمی)

توبہ سے اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوتے ہیں

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجمن بسم الله الرحمن الرحیم ''یاایُّھا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَصُوْحًا''۔

معزز سامعین کرام و بزرگانِ ملت، میری ماؤں اور بہنو! سچی توبہ بلاشبہ گناہوں کو مٹا دینے والی چیز ہے، مگر اس کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک توبہ وہی مقبول ہے جو پوری ندامت کے ساتھ صدق دل سے ہو اور صاف دل سے توبہ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے گناہ کا خیال باقی نہ رہے اور قصداً گناہ کرنے کے ارادے سے دل بالکل صاف ہو، لیکن اگر بتقاضائے بشریت سہواً اور نسیاناً کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو یہ ایسا گناہ ہے کہ توبہ کرتے ہی ان شاء اللہ فوراً معاف ہو جائے گا۔

مایوس کیوں کھڑا ہے؟

میرے محترم بزرگوں اور دوستو! انسان خواہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو اگر صدق دل سے تائب ہو کر عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور موت تک اسی پر مستقیم رہے تو ان شاء اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بخشش اور رحمت کی کمی نہیں، دنیا کی حکومتیں جب کسی مجرم کو گرفتار کرتی ہیں تو ان کو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے اور جھوٹی سچی گواہی سے جرم ثابت کر کے مجرم کو سخت سزا دی جاتی ہے، مگر خدا تعالیٰ کا قانون اس سے بالکل مختلف ہے، دنیا کا قانون پکڑنے اور سزا دینے کے لیے حیلے اور بہانے تلاش کرتا ہے، اور خدائے رحیم وکریم کا قانون معاف کرنے کے حیلے اور بہانے تلاش کرتا ہے۔

بندہ جب عجز وانکساری تضرع اور عاجزی کا سرمایہ لے کر بارگاہِ ایزدی میں پیش

ہوتا ہے تو ان کا کاسہ کبھی خالی نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور معافی کی بارش ہونے لگتی ہے، معافی کے بعد اس گناہ کا پھر کبھی طعنہ بھی نہیں دیا جاتا، عاصی کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، اللہ کی رحمت جب جوش میں آتی ہے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی بخشش ہوجاتی ہے۔

رحمت حق بہانہ می جوید

اللہ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے، ایک حکایت ہے کہ ایک مسخرہ لوگوں کو ہنسایا کرتا تھا، جب اس کے مرنے کا وقت قریب آگیا تو اس نے وصیت کی کہ غسل اور کفن کے بعد میری ڈاڑھی پر آٹا چھڑک دینا، لوگوں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی تم لوگوں کو ہنساؤ گے؟ اس نے کہا کہ بس تم میری وصیت کو پوری کردینا، غسل اور کفن کے بعد وصیت پوری کردی گئی یعنی اس کی ڈاڑھی پر آٹا چھڑک دیا گیا جب قبر میں اس کو رکھا گیا تو کسی صاحب کشف کو کشف ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منکر نکیر کو حکم فرمایا کہ تین سوالوں کے بعد اس سے یہ پوچھنا کہ تم نے ڈاڑھی پر آٹا کیوں چھڑکوایا، جب منکر نکیر نے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے سنا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بوڑھے آدمی سے شرماتے ہیں، عمل تو میرے پاس کچھ تھے نہیں؟ آرزو تھی کہ بوڑھا ہی ہوکر مروں، مگر کیا کروں موت جوانی ہی میں حملہ کربیٹھی اس لیے خیال ہوا کہ بوڑھے کی شکل ہی بنالوں، ممکن ہے کہ خدا کی رحمت مائل ہوجائے، اتنے میں خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

یہ ہے خدا کی بخشش کہ بسا اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی بخشش ہوجاتی ہے، تو کیا صدق دل سے توبہ اور استغفار پر وہ بخشش نہیں فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان وعمل پر قائم رکھے اور توبہ واستغفار کی توفیق بخشے۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وعظ: حضرت مولانا علی حسن قاسمی فہمی
۱۹۸۱/۲/۲۷ء

فضیلتِ شب برأت

برادرانِ اسلام! شعبان المعظم کا مہینہ بہت ہی برکتوں اور عظمتوں کا جامع ہے، اس ماہ کے بارے میں حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ شعبان المعظم میرا مہینہ ہے، یہ دو برکت والے مہینے یعنی رجب اور رمضان کے وسط میں ہے، اس میں بندوں کے اعمال بارگاہِ خدا میں پیش کیے جاتے ہیں اور صالحین کو مراتب عطا فرمائے جاتے ہیں، حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورﷺ نے شعبان المعظم کے پہلے ہفتے میں وعظ فرمایا اور اس میں کہا کہ حق تعالیٰ شانہ شعبان کی پندرہویں شب میں تقریباً نصف شب ختم ہونے کے بعد آسمانِ اول کی طرف جلوہ افروز ہوتا ہے اور جو اشخاص صدق اور اخلاص کے ساتھ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر مغفرت طلب کرتے ہیں ان کی مغفرت فرما دیتا ہے، یعنی ان کے صغیرہ و کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے، طالب مغفرت کو چاہیے کہ وہ اس شب میں اپنے دل کو بغض، کینہ، عناد، حسد، عداوت، اور دشمنی سے پاک کر لے اور اگر ممکن ہو تو اپنی کوتاہیوں اور بد عنوانیوں پر غور کر کے آنسو بہائے اور صدق دل سے توبہ کر کے اصلاح اعمال کا عہد کرے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی تقدیس و تمجید بیان کرے اور الحاح وزاری کے ساتھ مغفرت طلب کرے، قسم ہے رب قدوس کی کہ اس بندے کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ کامیاب ہو جائے گا۔

اس رات کی فضیلت کو کیسے حاصل کریں؟

برادرانِ اسلام! بیشک شعبان کی پندرہویں شب حق تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت ہے، جو شخص اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اور جو آخرت کی سعادتوں کا طلبگار ہے، اس کو چاہیے کہ پندرہ شعبان کو روزہ رکھے، اور جھوٹ،

فریب، ریا، مکر اور ظلم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور حلال روزی سے روزہ افطار کرے، اور حسب استطاعت غریبوں کی دعوت کرے، یتیموں اور بیواؤں کی دلنوازی کرے اور ان کی کچھ مالی مدد بھی کرے، پھر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اطمینان سے جائے نماز پر بیٹھ جائے اور نہایت خلوص کے ساتھ یکسو ہو کر حق تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے اور حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجے، پھر اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں پر غور کر کے آنسو بہائے۔

گناہوں کا اعتراف کر کے اللہ سے معافی مانگے

جب نصف شب ختم ہو جائے تو منت و سماجت کے ساتھ اپنے خدا سے کچھ عرض کرے یعنی اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اقرار کر کے ندامت کا احساس اور اظہار کرے اور یوں کہے کہ اے پروردگا، اے اللہ میں اپنی خطاؤں پر نادم ہوں اور اپنی غلطیوں کا اقرار کر رہا ہوں، سرکار دو عالم ﷺ کا واسطہ دے کر تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کو معاف فرما، میری خطاؤں کو بخش دے، میں سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ حتی الامکان نیک کام کروں گا، اور ہر موقع پر تیری رضامندی اور خوشنودی کو اختیار کروں گا، خدا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں صالحانہ زندگی بسر کر سکوں، اور تیری عبادت کروں اور تیرے بندوں کی خدمت کروں، میرے پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ میں عاجز اور در ماندہ اور معصیت آلودہ ہوں، اگر تو میری دست گیری نہ کرے گا اور اپنے عفو و کرم سے میری خطا معاف نہ کرے گا تو پھر کون ہے جس کو میں پکاروں، اور کون ہے جو میری خطاؤں کو معاف کرے، اے قدوس خدا! تیرے سوا میرا کوئی مالک اور آقا نہیں میں تجھے پوجتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں جب کوئی بندہ اپنی خطاؤں کا اقرار کر کے اور بے قرار ہو کر اپنے خالق و مالک کو پکارتا ہے اور مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ رب العزت اس کی خطاؤں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص نادم اور مضطرب ہو

کر اپنے مالک کو پکارتا ہے تو رحمت حق اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور باری تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی دست گیری اور حمایت کرتا ہے اور اس کی التجا قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرماتا ہے اپنے عاجز بندے سے جب وہ دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتا ہے کیوں اس کو محروم رکھا جائے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے، اور جو شخص شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں از راہِ مکر وریا یعنی اس خواہش کے ساتھ کہ لوگ اس کو عابد وزاہد اور متقی اور پرہیز گار اور لائق تعظیم و تکریم سمجھیں، عبادت وریاضت کرتا ہے اور اللہ رب العزت اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھتا اور اس کو اجر وثواب سے قطعاً محروم رکھتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، افسوس ہے اس بدنصیب کے حال پر جو ایسے متبرک موقع پر بھی مکر وریا سے باز نہیں آتا، اور صدق واخلاص کے ساتھ عبادت وریاضت نہیں کرتا۔

اور بیہقی میں حضرت سعیدؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضورﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو معاف کردوں اور کوئی ہے جو مجھ سے رزق طلب کرے میں اس کو رزق دوں اور کوئی ایسا ہے جو مصیبت میں گرفتار ہے اور وہ مجھ سے امن و عافیت طلب کرے اور میں اس کو امن و عافیت عطا کروں، یہ دلنواز اور روح پرور صدائیں طلوع فجر تک جاری رہتی ہیں، خوش نصیب ہیں وہ اشخاص جو اپنے دامنِ مراد کو بھر لیتے ہیں، اور بدنصیب ہیں وہ اشخاص جو اس عظیم القدر، رات میں بھی لہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں، اور حق تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم سے اور اجر و ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے پندرھویں شب کو حضورﷺ کو بستر پر نہ دیکھا اس وقت آپﷺ اہل قبور کے لیے مغفرت طلب کررہے تھے، مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے عائشہ! یہ رات بڑی عظمت والی رات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ بیشمار گناہ گار بندوں

کی مغفرت فرماتا ہے، اوران کو اجروثواب دیتا ہے اور وہ بہت ہی بدنصیب ہے جو اس رات میں بھی اجروثواب سے محروم رہے۔

برادرانِ اسلام! آپ حضرات کے سامنے شب برأت کے فضائل کے متعلق چند احادیث کو بیان کیا ہے، ان کے علاوہ اور بہت سے فضال کتب احادیث میں ملتے ہیں، لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ شب برأت کو پٹاخہ چھڑانا، پھلجھڑیوں کا چھڑانا، انار کا چھڑانا بھی قابل فضیلت ہے؟ اور نہ کسی حدیث میں حلوے کی فضیلت آئی ہے، شب برأت کو خصوصیت کے ساتھ حلوہ بنانا اور اس کو ثواب سمجھنا اور حکم شرعی جاننا یہ دین کے اندر زیادتی کرنا ہے، اور اسی کو بدعت کہتے ہیں۔

اس حلوے کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ جنگ احد میں جب حضورﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا تو آپ نے حلوہ تناول فرمایا تھا، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت اسی دن ہوئی تھی، یہ حلوہ ان کی فاتحہ کے واسطے بنایا جاتا ہے۔

برادرانِ محترم! یہ دونوں باتیں: یعنی حضورﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہونے کے بعد حلوہ نوش فرمانا، اور حضرت حمزہؓ کا شب برأت کو شہید ہونا، اس کی کوئی اصلیت نہیں، کیونکہ یہ دونوں واقعے شوال (عید) کے مہینے کے ہیں، شعبان یعنی شب برأت کے مہینے سے کچھ واسطہ نہیں اس لیے ایسا خیال کرنا بالکل غلط ہے۔ (اصلاح الرسوم حضرت تھانویؒ ص:۱۳۲)

برادرانِ محترم! آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتے جب تک تم مجھ سے اپنے باپ اور بیٹے اور تمام چیزوں سے زیادہ محبت نہ رکھوگے۔

آپﷺ نے اپنی کامل محبت پر کامل ایمان کو موقوف فرمایا، لہٰذا اس رات کو عبادت کے ساتھ گذاریں، خدا ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ وما علینا الا البلاغ

نوٹ: یہ تحریر مولانا نے ۱۹۸۷ء میں لکھی تھی، ورق نہایت بوسیدہ ہیں۔

بدعت کی تعریف

بدعات، میلاد اور قیام کا ذکر

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

فقد قال رسول الله ﷺ: ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة او کما قال علیه الصلاة و السلام"

بدعت کی تعریف: دین کے اندر کسی ایسی نئی چیز کے ایجاد کرنے کو بدعت کہتے ہیں کہ جس کا ثبوت ادلۂ شرعیہ اور نصوص کاملہ سے نہ ہو اور نہ ہی اس کا ثبوت اجماع سے ہو۔

شادی بیاہ کی رسمیں: آپ ہر سال دسیوں شادی بیاہ کرتے ہوں گے اور ہر شخص اپنی آنکھوں اور کانوں سے دیکھتا اور سنتا ہے کہ جس وقت لڑکی یہ کہتی ہے کہ میں نے فلاں کے ساتھ نکاح قبول کر لیا اس وقت وہ لڑکی اپنی ساری زندگی شوہر کی مرضی اور منشاء کو سونپ دیتی ہے کہ آج سے ہم اپنی ساری زندگی شوہر کی مرضی اور منشاء کے مطابق گزاریں گے، ہمارا کام کاج اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا بول چال سب کچھ شوہر کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہوگا، بغیر شوہر کے حکم کے نہ وہ کہیں جا سکتی ہے نہ بغیر حکم کے کسی سے گفتگو کر سکتی ہے غرضیکہ من چاہی زندگی گزارنا بالکل ختم ہو جاتا ہے، نکاح سے پہلے اس کو اختیار تھا جہاں چاہتی تھی جاتی تھی، جس عورت سے دل چاہتا تھا گفتگو کرتی تھی، سب کچھ اس کو اختیار تھا لیکن جب اس نے لفظ "قبول" کہا اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو شوہر کی مرضی کے اندر مقید کر دیا، تو اب اس کے سارے اختیارات ختم ہو گئے، حتی کہ اگر شوہر اس کو نفل پڑھنے سے

روک دے تو اب وہ نفل نماز بھی نہیں پڑھ سکتی، حاصل نکلا کہ آزادانہ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

محترم بزرگو! بالکل اسی طریقہ سے جب ہم تمام مسلمانوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو قبول کیا تو ہماری ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے اندر مقید ہو گئی، اب ہمارے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہمارے قدم اٹھیں، ہمارا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا بول چال، مال کمانا اور خرچ کرنا سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔

کافروں کے طریقے سے ہماری آزادانہ زندگی بالکل ختم ہو گئی، جب کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الدنیا سجن المومن و جنة الکافر" یعنی دنیا مومن کے واسطے قید خانہ ہے اور کافر کے واسطے جنت ہے، یعنی جس طریقے سے ایک قیدی قید خانے کے اندر اپنی زندگی آزادانہ نہیں گزارتا ہے بلکہ وہ قیدیوں کے قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے، جب قید خانہ کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے لگتا ہے، اگر قید خانہ کے اندر رہتے ہوئے قیدی قانون کے خلاف اپنی زندگی گزارے گا تو وہ مزید سزا کا مستحق ہوگا، بالکل اسی طریقے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کو مومن کے واسطے قید خانہ بنایا ہے جب دنیا ہمارے واسطے قید خانہ ہے تو اس قید خانہ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قوانین اور احکام نافذ فرمائے ہیں ان کے مطابق ہم کو زندگی کا ہر لمحہ گزارنا چاہیے، اگر اللہ تعالیٰ کے قوانین اور احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ہم سب عند اللہ ماخوذ اور سزا کے مستحق ہوں گے، جب ہماری زندگی ختم ہو جائے گی اور ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، تب ہم بالکل آزاد ہو جائیں گے اور من چاہی زندگی گزارنے کے لیے نہ نماز پڑھنی پڑے گی نہ زکوۃ اور نہ روزے فرض ہوں گے، غرضیکہ ہم بالکل آزاد ہو کر زندگی گزاریں گے۔ آزاد اور بے فکر ہو جائیں گے لیکن جب تک ہم دنیا کے

اندر ہیں تب تک ہر ہر قدم پر ہم کو خدا کے قانون اور اس کے احکام کی پابندی کرنی پڑے گی، مگر افسوس کہ آج ہم مسلمان ہر ہر قدم پر اور ہر ہر معاملہ میں خدائی قانون کی پابندی تو در کنار فرائض کی بھی توفیق نہیں ہوتی، جو امور خدا نے ہم پر فرض کیے تھے ان کو بھی باندھ کر بالائے طاق رکھ دیے، کہ رکھے رہو اب ہم کو تمہاری ضرورت نہیں، منکر نکیر سے نپٹ لیں گے اور دربان جنت سے مقابلہ کرلیں گے، دربان جنت کو دو چار ہزار روپے دے دیں گے بس وہ جنت میں داخلہ کی اجازت دیدیں گے، چونکہ اس زمانے میں اکثر و بیشتر رشوت کے ذریعے گورنمنٹ کے قوانین کو توڑ دیا جاتا ہے، اور جو جی چاہتا ہے قانون کے خلاف کروالیا جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے لیے بھی ایسا ہی سوچا جارہا ہے کہ رشوت کے زور سے خدائی قانون کو توڑ کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرلیں گے، خدائی احکام نماز و وتر کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

ہمارا سارا خزانہ دنیا ہی تک محدود ہے؟

محترم حضرات! وہاں ہماری رشوت نہیں چلے گی، ہمارا سارا خزانہ دنیا ہی تک محدود ہے، سب کچھ یہیں رہ جائے گا، ہاں اعمال صالحہ ہمارے واسطے وہاں خزانہ بنیں گے؛ لیکن افسوس کہ اس خزانہ اندوزی کی ہم کو قطعاً فکر نہیں گویا کہ ہم کو مرنا ہی نہیں، یہیں رہنا ہے، خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو ان اعمال کی بھی توفیق نہیں ہوتی جو خدا نے ہم پر فرض کیے تھے، چہ جائیکہ مستحبات اور مسنون پر عمل کیا جائے، البتہ بعض ان اعمال مشروعہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو اپنی طبیعت اور خواہش کے مطابق و موافق ہوتے ہیں، جیسے: شادی ہے، بچوں کا ختنہ ہے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی خوشیاں ہیں۔ بیشک یہ سب اعمال مشروعہ ہیں، کار ثواب ہیں ان کی پابندی کی جاتی ہے مگر افسوس یہ کہ جب کبھی ان اعمال کی توفیق ہوتی ہے تو ان اعمال کے اندر طرح طرح کی ایسی رسومات اور بدعات کو داخل کردیا جاتا ہے کہ جس کی

قباحت کی وجہ سے بجائے اجر وثواب ملنے کے گناہوں کا پہاڑ سر پر لد جاتا ہے، بچوں کا ختنہ ایک سنت طریقہ ہے جو باعث اجر وثواب ہے لیکن اس سنت کے اندر ایسی ایسی رسومات اور بدعات کو آمیزہ کر دیا جاتا ہے کہ بجائے ثواب کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اسی طریقے سے محرم اور عاشورہ کا مہینہ نہایت متبرک اور بابرکت ہے اس کی اہمیت اور عظمت واقعۂ کربلا ہی کے وقت سے نہیں بلکہ حضور ﷺ کے مبعوث ہونے سے قبل بھی اہل عرب میں اس کی اہمیت اور عظمت تھی، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں بھی یہ مہینہ باعظمت اور باعزت تھا، حضرت آدم اور تمام پچھلی امتوں پر یوم عاشوہر کا روزہ فرض تھا، ہماری شریعت کے اندر اگر چہ اس مہینہ کا روزہ فرض نہیں ہے سنت ہے، لیکن اجر وثواب کے اعتبار سے بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔

میرے بزرگو! ان فضائل پر کسی کی نظر نہیں بلکہ ان متبرک دنوں میں ایسی ایسی رسومات اور بدعات کو عمل میں لاتے ہیں، جو ضلالت ہی نہیں بلکہ شرک تک پہنچا دینے والی ہیں، غور کیجئے کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس طریقے سے ایک مشرک اور بت پرست اپنے ہاتھوں سے مورتی بنا کر اس کی تعظیم وتکریم اور اس کے آگے سجدہ کرتا ہے، بعینہٖ اسی طریقے سے آج ہمارے بعض مسلمان بھائی بھی اپنے ہاتھ سے لکڑی کا تعزیہ بنا کر نہایت ہی تعظیم وتکریم کرتے ہیں، اس خیال سے کہ اس کے اندر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، بلکہ بعضوں کو تو تعزیہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے، بتایئے کہ شریعت محمدی کے اندر غیر اللہ کا سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ بھی سجدہ کرتے ہیں، ماشاء اللہ آپ سبھی حضرات اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا حرام وشرک ہے، ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس بدعت سازی اور تعزیہ سازی میں اتنا اہتمام کیا گیا اور اتنی تعظیم وتکریم کی گئی کہ سادہ ذہن جاہل لوگوں کے قلب میں اس تعزیہ

سازی کی اتنی عزت راسخ ہوگئی کہ شرک وکفر تک نوبت پہنچ گئی۔

ہم نے بچپن میں اپنی آنکھوں سے اسی نوادہ کے اندر مسلمان عورتوں کو بوسہ لیتے ہوئے اور بچوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، اگر چہ وہ اپنی برادری کی عورتیں نہیں تھیں، لیکن مسلمان ہی کی عورتیں تھیں، اب بتایئے کہ تعزیہ سازی شرک کا سبب بنی کہ نہیں، بتایئے اس کا وبال کس پر آئے گا۔

حضرت عمرؓ کی احتیاط کا عالم دیکھئے کہ جس درخت کے نیچے حضور ﷺ نے صحابہ سے بیعت فرمائی تھی اس درخت کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے "**لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ**" بتایئے کہ جس درخت کا ذکر قرآن میں آیا ہو اور جس کے نیچے حضور ﷺ نے صحابہ سے بیعت کی ہو، بتایئے وہ درخت کس قدر بابرکت اور متبرک ہوگا، لیکن جب لوگ اس درخت کے نیچے برکت حاصل کرنے کے لیے کثرت سے آنے لگے تو حضرت عمرؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی نسلیں اس درخت کو نشانِ تعظیم بنا کر حد سے تجاوز کر جائیں، تو حضرت عمر نے اس درخت کو جڑ سے کٹوا دیا۔

محترم بزرگوں اور دوستو! اس درخت کے نیچے نہ شرک ہوتا تھا نہ کفر ہوتا تھا، صرف برکت حاصل کرنے کے لیے ایک جائز طریقہ سے لوگ کثرت سے آنے لگے تھے، تو حضرت عمرؓ نے خیال فرمایا کہ آج اگر چہ یہ لوگ صرف برکت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، لیکن کیا بعید ہے کہ کل ان کی نسلوں کو شیطان کو بہکانے کا موقع مل جائے، اور یہ درخت بجائے محل برکت کے محل شرک ہو جائے، اسی خیال سے حضرت عمرؓ نے درخت کو جڑ ہی سے کٹوا دیا، کہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری، بتایئے اس بابرکت درخت کے آگے اس تعزیہ کی کوئی حقیقت ہے؟ وہ درخت سراپا برکت اور قابل احترام تھا اور یہ تعزیہ سراپا محل شرک ہے، کسی بھی طرح قابل احترام نہیں، اگر حضرت عمر موجود ہوتے تو بتایئے کیا حال ہوتا۔

میرے بزرگوں! خدا کے واسطے سوچو اور خود فیصلہ کرو کہ اگر تعزیہ سازی یا تعزیہ داری دین ہوتا، تو حضورﷺ اس کو ضرور کرتے یا کم از کم کرنے کا حکم ہی دیتے، لیکن حضورﷺ نے نہ تعزیہ داری کی اور نہ کرنے کا حکم ہی فرمایا، حالانکہ حضورﷺ کے سامنے ہی آپ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی، لیکن آپ نے نہ اپنے چچا کی شہادت پر تعزیہ داری کی اور نہ کرنے کا حکم ہی فرمایا۔

غور کیجئے! حضرت حمزہؓ تمام شہیدوں کے سردار ہیں، جب حضورﷺ نے سردار شہید کی شہادت پر تعزیہ داری کا حکم نہیں فرمایا تو دیگر شہیدوں کی شہادت پر کیسے حکم فرما سکتے تھے، اگر تعزیہ داری دین ہوتا تو حضورﷺ ضرور حکم فرماتے، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین بتلانے کے لیے بھیجا تھا، دین چھپانے کے لیے نہیں بھیجا تھا، دین کی جتنی بھی باتیں تھیں، سب حضورﷺ بیان فرما گئے کہ کوئی بات ایسی نہیں جس کو آپ نے بیان نہ کیا ہو، صاف قرآن نے اعلان کر دیا "**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**" یعنی آج ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل اور مکمل کر دیا، دین کی کوئی بھی بات باقی نہیں رہی۔

محترم دوستو! اب اپنی طرف سے کسی کام کو ایجاد کر کے دین سمجھنا، صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نعوذ باللہ حضورﷺ نے بعض دین کی باتوں کو چھپا لیا، بیان نہیں فرمایا۔

بعض کہتے ہیں کہ تعزیہ داری وغیرہ جو کچھ بھی ہم کرتے ہیں، یہ سب حضرت حسینؓ کی محبت میں کرتے ہیں، اس میں کیا حرج کی بات ہے، میرے بزرگوں اظہار محبت ان بدعات اور رسومات سے ہرگز نہیں ہوسکتا، اظہارِ محبت انہی اعمال سے ہوسکتا ہے، جو اعمال حضرت حسینؓ کے تھے، اگر واقعی ہم کو حضرت حسینؓ سے محبت ہوتی تو ہم ہر وہ کام کرتے جو

حضرت حسینؓ نے کیے تھے، لیکن ہمارا ایک بھی عمل حضرت حسینؓ کے موافق نہیں، یہ کیسا عشق کا دعویٰ ہے، غور کیجئے کہ ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھ کو فلاں سے عشق ومحبت ہے اور پھر وہ اپنے معشوق کی ہر عمل کی خلاف ورزی کرے، تو بتایئے کیا اس کو کوئی عاشق کہے گا، ہر گز نہیں کہے گا، آج ایک معمولی شخص سے بھی جب کسی کو عشق ہو جاتا ہے تو وہ عاشق اپنے معشوق کا غلام بن جاتا ہے، اور انگلی کے اشارے پر ناچتا ہے، اور اپنی تمام مرضی کو اور خواہشوں کو معشوق کی مرضی اور خواہشوں کو سونپ دیتا ہے اور جو معشوق کرتا اور کہتا ہے وہی یہ بھی کرتا ہے، اسی کا نام عشق ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اطاعت اور فرماں برداری کا نام عشق ہے۔

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ فرماں بود، بس بندہ کا فرمانبردار ہو جانا ہی عاشقی ہے، اب خود ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے، کہ ہم کتنے حضرت حسینؓ کے عاشق اور فرمانبردار ہیں، اگر واقعی ہم کو حضرت حسینؓ سے محبت ہے اور محبت کا دعویٰ صحیح ہے تو ہم کو ہر وہ کام کرنا پڑے گا جو آپ کرتے تھے، ورنہ ہماری محبت کا دعویٰ غلط ہے، آپ نے نمازوں کی پابندی کی ہے ہم کو بھی پابندی کرنا پڑے گی، آپ نے روزے رکھے ہیں، ہم کو بھی رکھنا پڑیں گے، آپ نے خدا کے راستے میں مال خرچ کیا ہے ہم کو بھی خرچ کرنا پڑے گا، آپ نے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کی ہے، ہم کو بھی کرنا پڑے گی، آپ نے یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے، ہم کو بھی ہاتھ پھیرنا پڑے گا، آپ نے دین کے معاملے میں تکلیف برداشت کی ہے، ہم کو بھی تکلیف برداشت کرنا پڑے گی، آپ نے خدا کے راستے میں سر کٹایا ہے اگر وقت آ گیا تو سر کٹانا پڑے گا، محبّ بننا اور محبت حقیقی کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے، محبوب کے اوصاف اور کمالات اپنے اندر بھی پیدا کرنے ہوں گے، تبھی محبت کا دعویٰ بھی درست ہوسکتا ہے، ورنہ ویسے تو دشمن بھی محبت کا زبانی دعویٰ کر دیتے ہیں، صحابہؓ نے حضورﷺ سے محبت کا دعویٰ کیا اس کا حق ادا

کر کے دکھلا دیا، جان قربان کرنے کا وقت آیا تو بلا تأمل جانوں کو قربان کر دیا، مال قربان کرنے کا وقت آیا تو پوری پوری جائیداد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی، (دیکھو حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ کے صدقہ کرنے کا واقعہ تبلیغی نصاب میں) غرضیکہ صحابہ حضور ﷺ کے ہر قول و فعل پر کامل طور پر عمل پیرا ہوئے اور کیوں عمل پیرا نہ ہوتے جبکہ سچا عشق تھا، اگر ہم کو بھی حضرت حسینؓ سے سچا عشق ہے تو پھر آپ کے راستے کیوں چھوڑے ہوئے ہیں، کیا حضرت امام کا یہی راستہ تھا، جو ہمارا ہے؟ کیا حضرت امام نے ان خرافات کی اجازت دی ہے؟ جو ہم نویں اور دسویں کو کرتے ہیں؟ اگر اجازت نہیں دی ہے اور حقیقت میں نہیں دی ہے تو بتایئے ہمارا عشق کیسا ہے؟ سچے عاشق کو تو وہی کام پسند ہوتے ہیں جو معشوق کرتا ہے، معشوق جس کام سے روک دیتا ہے عاشق ہرگز اس کام کے پاس نہیں جاتا، ہر وقت ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معشوق کے خلاف کوئی کام سرزد ہو جائے اور میرا معشوق ناراض ہو جائے، غرضیکہ اس کو ہمہ وقت معشوق کی رضامندی اور خوشنودی کی فکر رہتی ہے، تو دوستوں اور عزیزوں اگر ہم کو حضرت امام اور آپ کے نانا جان ﷺ کی رضا مطلوب ہے تو بھائی ہم کو آپ کے نانا اور آپ کے طریقہ اختیا کرنا پڑے گا ورنہ جو ہمارا طریقہ ہے اس سے آپ کے نانا جان کو جس قدر تکلیف ہوتی ہوگی اس کو خدا ہی جانتا ہے۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ تُعْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَهُ وَبَیْنَ أَخِیْهِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُتْرُكُوْا اَوْ اُرْكُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَفِیْئَا. (صحیح مسلم ۳۱۷/۲، کتاب البر و الصلة، باب النهی عن الشحناء: ۲۵۶۵، مطبوعه مکتبه هلال دیوبند)

غور کیجئے حدیث شریف کے اندر آتا ہے کہ ہر جمعرات اور پیر کو حضور ﷺ کی خدمت مقدسہ میں امت کے اعمال نامے پیش کیے جاتے ہیں، اگر اعمال نامے بہتر ہوتے

ہیں، تو آپ نہایت خوش ہوتے ہیں اور اگر خراب ہوتے ہیں تو آپ کو از حد تکلیف ہوتی ہے، تو میرے عزیزوں ہمارے اور آپ کے اعمال نامے بھی ہر ہفتے آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں اور ان اعمالنامہ کو بھی پیش کیا جاتا ہے جو ہم نویں اور دسویں کو کرتے ہیں تو بتایئے ان سیاہ اعمال سے حضورﷺ خوش ہوتے ہوں گے؟ ہرگز نہیں، جس قدر آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی، اس کا احساس اور اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جو آپ کی ہمدردی سے واقف ہے۔

بہر حال بتلانا ہمارا فرض ہے اور غور وفکر، تدبر وتفکر آپ کا فرض ہے، اگر آپ غور وفکر کریں گے تو یقیناً چیخ اٹھیں گے کہ علی حسن جو کچھ کہہ رہا ہے سب سچ ہے؛ لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ جب قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلایا جاتا ہے تو افتراء کہا جاتا ہے، چنانچہ منجملہ بدعات میں سے ایک بدعت میلاد مروجہ بھی ہے۔

میلاد مروجہ

انہی تمام بدعات اور رسومات میں سے ایک بدعت میلاد مروجہ بھی ہے یعنی وہ رسمی جس کو نہ رسول اللہﷺ نے کیا ہو اور نہ کرنے کا حکم ہی فرمایا ہو، اور نہ صحابہ کرامؓ نے کیا ہو اور نہ صحابہ کے تابعین اور تبع تابعین نے کیا ہو اور نہ کرنے کا حکم ہی صادر فرمایا ہو، پس ایسے کو میلاد مروجہ کہتے ہیں، جس کے اندر قیام وسلام اور پیدائش کا پڑھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، پس جس چیز کا ثبوت نہ حضورﷺ سے ہو اور نہ صحابہ اور تابعی سے اور نہ علمائے مجتہدین سے ہی ہو، وہ یقیناً بدعت ہے اور میلاد مروجہ کا ثبوت ان حضرات میں سے کسی سے بھی نہیں ہے، لہذا میلاد بھی بدعت ہے، جب یہ ثابت ہوا کہ میلاد مروجہ بدعت ہے، تو اس سے ہر شخص کا بچنا واجب ہے، کیونکہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "**ایاکم و محدثات الامور ، الی آخرہ**" یعنی خبردار بچو تم دین کے اندر کسی نئی چیز کے ایجادات سے کیونکہ دین کے اندر ہر نئی

چیز کا ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک دوسری جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (مشکوٰۃ: ۲۷، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مکتبہ رشیدیہ سہارنپور)

یعنی جس شخص نے ہمارے اس دین کے اندر کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں سے نہیں ہے پس وہ مردود ہے، چونکہ محفل میلاد کے اندر چند ایسی باتوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور ایسے عقیدے بنا لیے گئے ہیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں، پس ان بے اصل اور غیر ضروری باتوں کی وجہ سے محفلِ میلاد بدعت ہوگئی، اور بدعت کے متعلق حضور ﷺ کا صاف ارشاد ہے کہ وہ گمراہی ہے، جب بدعت گمراہی ہے، تو اس سے ہر فرد مسلم کا بچنا ضروری ہے۔

جہاں تک ذکر و تذکرہ اور بیانِ سیرت کا تعلق ہے، اس سے کون روک سکتا ہے، آپ کا تذکرہ زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے، اور آپ کی سیرت کے جلسوں کا انعقاد بار بار ہونا چاہیے، کیونکہ آپ کا تذکرہ اور بیانِ سیرت باعث برکت اور باعث خیر ہے، اس سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور اتباع سنت کا ولولہ پیدا ہوتا ہے، تمام عالم اور تمام کائنات میں صرف آپ ہی کی ذات ایسی بابرکت ہے کہ کروڑوں آدمی آپ کا نام نماز میں لیتے ہیں اور ہر اذان اور ہر تکبیر کے اندر خدا کے نام کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی نام بلند کیا جاتا ہے، چودہ سو سال ہوگئے ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ جس میں دنیا ذکر محمدی سے خالی رہی ہو اور نہ ہی دنیا ذکر محمدی سے خالی ہوسکتی ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے "ورفعنا لک ذکرک" یعنی اے محمد! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند و بالا فرمادیا ہے، تو محترم بزرگو جس کے ذکر کو خدا تعالیٰ نے بلند فرمادیا ہو کس کی مجال ہے اور کس کو طاقت ہے

کہ اس کے ذکر کو پست کرے اور اس کے ذکر سے روکے، گفتگو صرف اس بات میں ہے کہ ذکر رسول کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے کہ جس سے بے اعتدالیوں کے لیے راہیں نکلیں اور نہ کوئی ایسی بات ضروری قرار دی جائے کہ جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو، مثلاً محفلِ میلاد شریف میں قیام کرنا، ممنوع الفاظ کے ساتھ سلام پڑھنا اور واقعہ پیدائش کا لازمی طور پر پڑھنا، بتاشوں کی تقسیم کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب بے اصل اور رسمی چیزیں ہیں، جن کا دین میں کوئی ثبوت نہیں۔

قیام شرعاً تو ناجائز ہے ہی، عقلاً بھی ناجائز ہے کیونکہ عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے تعظیمی قیام اس کی تشریف آوری پر کیا جائے اور میلاد میں حضور ﷺ کی تشریف آوری میں کوئی ثبوت نہیں، جب حضور ﷺ کے تشریف لانے کا کوئی ثبوت نہیں، تو قیام عقلاً بھی ناجائز اور لغو ہے، ایک شخص سیکڑوں اور ہزاروں میل تک ہم سے غائب ہو اور اس کے لیے ہم یہاں تعظیمی قیام کریں، تو کیا عقل اس کو تسلیم کرے گی، دنیاوی دستور میں آپ ہمیشہ دیکھتے ہوں گے کہ؛ جب کسی بڑے شخص کی آمد کا انتظار ہوتا ہے، تو لوگ اس کی تعظیم کے لیے اس وقت کھڑے ہوتے ہیں جب وہ سامنے آجاتا ہے نہ کہ اس وقت جبکہ وہ گھر سے چلا بھی نہ ہو، غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری کی وجہ سے قیام عقلاً بھی لغو اور ناجائز ہے اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ حضور ﷺ میلاد کے اندر تشریف لاتے ہیں تب بھی قیام ناجائز اور لغو ہوگا، کیونکہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے لیے تعظیمی قیام سے منع فرمایا تھا، اور فرمایا تھا کہ یہ قیام کرنا عجمیوں کا طریقہ ہے جبکہ مشکوٰۃ شریف ص: ۴۰۳ر کے اندر حضور ﷺ کا یہ ارشاد بایں الفاظ موجود ہے:

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَاتَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. (مشكوة: ۴۰۳، باب القيام رواه ابو داؤد، مكتبه رشيديه سهارنپور)

یعنی حضرت امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک عصا پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے اور ہم لوگ آپ کو دیکھ کر آپ کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو گئے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اے لوگو مت کھڑے ہوا کرو جیسا کہ عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محترم بزرگو اور دوستو! حضور ﷺ کی اس ممانعت کے بعد پھر کبھی بھی صحابہ کرامؓ آپ کی تعظیم کے واسطے کھڑے نہیں ہوئے، حضرت انسؓ کا قول ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَکَانُوْا اِذَا رَأَوْہُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْا مِنْ کَرَاھِیَتِہٖ لِذٰلِکَ (مشکوۃ: ۴۰۳، باب القیام رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح، مکتبہ رشیدیہ سھارنپور)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم لوگوں کو حضور ﷺ سے سب سے زیادہ محبت تھی، سب سے زیادہ محبوب اور پیارے آپ ہی تھے، لیکن اس کے باوجود ہم لوگ آپ کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ آپ اس کو مکروہ اور ناپسند فرماتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں صحابہ کرامؓ کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرمایا، تو پھر بعد وفات وہ بھی غیر حضوری میں قیام کرنا آپ کی خوشنودی کا سبب کیسے بن سکتا ہے، حضور ﷺ کی وفات کے بعد سیکڑوں اور ہزاروں صحابہؓ دنیا میں موجود تھے، اور ہمیشہ آپس میں حضور کا تذکرہ کرتے تھے، لیکن کبھی بھی انہوں نے ذکر رسول کے وقت قیام نہیں فرمایا، بتائیے کیا صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی شخص عاشقِ رسول ہو سکتا ہے؟ ہے کسی کو ہمت اور جرأت جو یہ کہے کہ مجھ کو صحابہؓ سے بڑھ کر حضور سے محبت ہے۔

جیسی سچی محبت اور عقیدت اور جیسا تعظیم اور احترام کا خزانہ صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا کیا ہم میں سے کسی کا حاصل ہے؟ ہرگز نہیں، جب صحابہؓ جیسے سچے عاشقوں نے ذکر رسول کے وقت قیام نہیں فرمایا تو پھر ہمارے لیے کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اور پھر صحابہ کیسے قیام فرما سکتے

ہیں؟ جبکہ ان کو حضور نے اپنی زندگی ہی میں قیام سے منع فرما دیا تھا جب حضور نے اپنی زندگی میں قیام کو جائز نہیں رکھا تو پھر بعد وفات کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم نہ کی جائے، کون شخص آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے روک سکتا ہے، جو آپ کی تعظیم و تکریم سے روکے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اصول شریعت اور فرمانِ شریعت سے ہٹ کر اپنی طرف سے تعظیم و تکریم کا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے، اصول شریعت سے ہٹ کر اپنی طرف سے اگر کوئی فعل اختیار کیا گیا خواہ بظاہر کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو، ہرگز قابل ثواب نہیں ہو سکتا۔

غور کیجئے! کہ نماز پڑھنا کتنا ثواب کا کام ہے، لیکن چونکہ نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنا حضور ﷺ سے منقول نہیں ہے اس لیے حضرت علیؓ نے ایک شخص کو نماز عید سے پہلے نماز پڑھتے دیکھ کر منع فرمایا، اس شخص نے جواب دیا کہ نماز ہی تو پڑھ رہا ہوں، نماز پڑھنا کوئی گناہ کی بات تو ہے نہیں، جس کی وجہ سے مجھ پر عذاب ہوگا، اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ جب تک کسی کام کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے نہ مل جائے، اس پر اللہ تعالیٰ ہرگز ثواب نہیں دیتے، اس لیے محترم بزرگو! حضرت علیؓ کی یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ جس کام کا ثبوت شریعت سے نہیں ہے، وہ کام ہرگز قابلِ ثواب نہیں ہو سکتا، خواہ بظاہر کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو، غور کیجئے کہ دین کی جتنی بھی باتیں تھیں سب حضور ﷺ بیان فرما گئے، کوئی بھی بات ایسی نہیں رہی کہ جس کو حضور ﷺ نے بیان نہ فرمایا ہو، صاف قرآن اعلان کر رہا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" یعنی آج ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل اور مکمل کر دیا، دین کی کوئی بھی بات باقی نہیں رہی، کہ جس کو بیان نہ کیا ہو، اب اپنی طرف سے کسی کام کو ایجاد کر کے دین سمجھنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور نے بعض دین کی باتوں کو چھپا لیا بیان نہیں کیا، بہر حال اس مختصر گفتگو سے یہاں یہ بات روشن ہوگئی کہ دین میں قیام کی

کیا حقیقت ہے؟ بعض ہمارے بڑے بھائی گرم ہو جاتے ہیں کہ یہ خبیث قیام سے روکتا ہے، محترم ہم کہاں روکتے ہیں، ہماری کیا مجال ہے خود حضورﷺ کی حدیث روک رہی ہے اور چلیے ہم آپ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں؛ کہ قیام حضورﷺ کی تشریف آوری پر جائز ہے لیکن پہلے ہم کو یہ تو ثابت کر دو کہ حضورﷺ تشریف لاتے بھی ہیں یا نہیں؟ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں، اور حقیقت میں نہیں، تو بتایئے کہ بغیر تشریف آوری پر آپ کا قیام عقل میں آنے والی بات ہے، دوسری بات یہ کہ اگر میلاد کے اندر حضورﷺ کی تشریف آوری کا آپ عقیدہ رکھتے ہیں اور کوئی ثبوت ہے تو بتایئے کہ کس وقت آپ تشریف لاتے ہیں، آیا شروع میلاد میں یا درمیان میں یا آخر میں، اگر آپ کہیں کہ شروع میلاد میں تشریف لاتے ہیں تو پھر پوری میلاد کھڑے کھڑے پڑھنا چاہیے، اور اگر درمیان میں تشریف لاتے ہیں تو پھر نصف میلاد کھڑے کھڑے پڑھنا چاہیے، آخر ہی میں کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ ممکن ہے کہ کوئی صاحب کہہ دیں کہ جب ہم کھڑے ہوتے ہیں اس وقت حضورﷺ تشریف لے آتے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ حضور آپ کے تابع ہیں، کہ جس روز اور جس وقت آپ چاہیں کھڑے ہو جائیں، حضورﷺ کو بلا لیں، پھر جب آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ میلاد میں حضور تشریف لاتے ہیں تو اب یہ سوال ہوتا ہے کہ میلاد میں کون سی وہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر حضورﷺ میلاد میں تشریف لاتے ہیں؟ اور دیگر مجالس اور محافل میں تشریف نہیں لاتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ یہی کہا جائے گا کہ میلاد میں حضورﷺ کا ذکر مبارک ہوتا ہے بایں وجہ آپ تشریف لاتے ہیں، تو محترم مہربان جب حضور کی تشریف آوری کی وجہ صرف ذکر مبارک ہے تو پھر آپ کی تشریف آوری کا یہ عقیدہ میلاد ہی کے ساتھ کیوں مخصوص ہے۔ ہر اس جگہ کے بارے میں بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیے جہاں بھی حضورﷺ کا ذکر مبارک ہو، مدارس عربیہ میں حضورﷺ کا ذکر مبارک ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت قال قال رسول اللہﷺ

کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں، لہٰذا مدارس عربیہ میں بھی ہر وقت حضور ﷺ کی تشریف آوری کا عقیدہ رکھنا چاہیے اور استاذ اور شاگرد دونوں کو کھڑے رہنا چاہیے، یہاں کیوں نہیں کھڑے ہوتے ہیں؟ یہاں کیوں تشریف آوری کا عقیدہ نہیں؟ یہاں کونسی وہ چیز ہے جو حضور کو تشریف لانے سے روک رہی ہے؟۔

بس اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک رسمی چیز ہے جس کے واسطے نہ کوئی اصول ہے اور نہ کوئی ضابطہ ہے، جیسا اپنے آباء و اجداد کو کرتے ہوئے دیکھ لیا اور جو انہوں نے کہہ دیا بس وہی حق ہے، خواہ اصول و ضوابط کے موافق ہو یا نہ ہو۔

اب ایک بات اور سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم قیام حضور ﷺ کی تعظیم کے لیے نہیں کرتے کیونکہ آپ کا آنا یقینی نہیں ہے، بلکہ ہم قیام حضور کے ذکرِ مبارک کی تعظیم کے لیے کرتے ہیں، تو میرے بزرگو! ہم اس بات پر بھی یہی عرض کریں گے کہ جب آپ حضور ﷺ کے ذکر ہی کی تعظیم کے واسطے قیام کرتے ہیں تو آپ نے اپنے قیام کو میلاد ہی کے ساتھ کیوں مخصوص کر دیا بلکہ جہاں بھی حضور کا ذکرِ مبارک ہو بس آپ کو کھڑا ہو جانا چاہیے، ہم روزانہ نمازوں میں التحیات اور درود شریف پڑھتے ہیں جس میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا ہے بلکہ درود شریف تو مستقل حضور ﷺ ہی کا ذکر ہے، اور اتنا بڑا ذکر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "**ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما**" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتے رہو، تو بتائیے کہ درود شریف سے بڑھ کر حضور کا کوئی اور ذکر ہوسکتا ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی شامل ہوں، جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ درود شریف بھی تمام ذکروں میں ایک ذکر ہے بلکہ سب سے بڑھ کر ذکر ہے، تو آپ کے قانون کے لحاظ سے

چاہیے کہ نماز کے اندر درود شریف کھڑے کھڑے پڑھی جائے، حالانکہ اگر درود شریف کھڑے ہوکر پڑھی گئی تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

تعظیم کے واسطے قیام ضروری ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے ذکر مبارک کی تعظیم کے واسطے قیام کا ضروری قرار دینا بھی ایک رسمی چیز ہے، جس کا دین میں کوئی ثبوت نہیں، جہاں تک حضور ﷺ کے ذکر مبارک کے وقت ادب کا تعلق ہے تو اس کے خلاف کون لب کشائی کرسکتا ہے، جہاں بھی حضور ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا ہو نہایت ہی ادب اور خاموشی کے ساتھ رہنا چاہیے جیسا کہ صحابہ کا طریقہ تھا، ہنسی، مذاق اور بے توجہی سے ادھر ادھر دیکھنا یہ سب آدابِ مجلس کے خلاف ہے، لیکن اس طرح سے ادب کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا اور اس کو ضروری قرار دینا جو بے اصل ہو اسے منع کیا جاتا ہے، ہاں اگر کسی خاص مصلحت کی بنا پر کوئی شخص مجلس میں کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً کسی کو مجلس میں نیند آرہی ہو تو وہ اگر ایک طرف ہوکر کھڑا ہو جائے اور کھڑے کھڑے سنتا رہے تاکہ نیند کا غلبہ نہ رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طریقے سے اگر کوئی پیر اپنے مرید کو کوئی وظیفہ مشق کرانے کے لیے کھڑا کردے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ استاذ اپنے شاگرد کو کھڑا کردیتا ہے تاکہ توجہ کامل رہے، تو اس قسم کی خاص مصلحت کی بنا پر کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں اور پھر یہ کہ کھڑا ہونا تعظیماً تھوڑی ہے کہ جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، خیر اب تک جو گفتگو تھی، وہ قیام کے متعلق تھی اب دوسری میلادی رسومات سنیے:

ذکر پیدائش کو ضروری قرار دینا

میلاد کے اندر دوسری رسمی چیز ذکر پیدائش کو ضروری قرار دینا ہے، اس پر بھی ان شاء اللہ

تعالیٰ کچھ عرض کروں گا، پہلے اس بات کو اچھی طرح سے سن لینا چاہیے کہ ہم نفسِ ذکر پیدائش سے نہیں روکتے ہیں، ذکرِ رسول میں سے ایک ذکر ذکرِ پیدائش بھی ہے، جو یقیناً باعث خیر اور باعث برکت ہے، لیکن ذکر پیدائش کو کسی تاریخ، یا کسی دن، یا کس وقت، یا کسی خاص طریقہ کے ساتھ مخصوص کر کے لازم قرار دینا کہ اس کے بغیر میلاد ناقص اور نامکمل رہے گی یہ بدعت ہے، اور اس سے منع کیا جاتا ہے، جیسا کہ میلاد کے اندر ذکر پیدائش کو اس قدر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر میلاد بالکل نامکمل سمجھا جاتا ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ میلاد کے اندر ذکر پیدائش کو ضروری سمجھا جاتا ہے، جس طریقے سے ذکر پیدائش حضور ﷺ کا ایک ذکر ہے، جو یقیناً باعث برکت ہے کیا اس طریقہ سے ذکرِ معراج، حضور ﷺ کا ذکر نہیں ہے، کیا ذکرِ غزوات آپ کا ذکر نہیں ہے، حضور ﷺ نے کس طرح دین کو پھیلایا اور کیا کیا مشقتیں برداشت کیں ان کا ذکر کرنا ذکر نہیں ہے؟ حضور ﷺ کے کیا کیا احکامات ہیں اور کیا کیا اعمال ہیں؟ کیا ان چیزوں کو ذکر کرنا ذکر نہیں ہے؟ صرف ذکر پیدائش ہی کو کیوں ضروری قرار دیا جاتا ہے، اس زمانے میں جبکہ ہمارے اعمال از حد خراب ہیں، بہتر یہ ہے کہ حضور ﷺ کے اعمال کو ذکر کیا جائے، تاکہ ہمارے اندر نیک اعمال کا شوق پیدا ہو، آج ہم لوگوں کو مسائل اور احکامات کی معلومات نہیں، بہتر یہ ہے کہ بلکہ ضروری ہے کہ مسائل اور احکامات کو ذکر کیا جائے۔

وقت کے تقاضے کے مطابق ذکر ہونا چاہیے

غرضیکہ وقت کے تقاضے کے مطابق ذکر ہونا چاہیے، جیسی ضرورت ہو ویسا ہی ذکر ہونا چاہیے، اگر نماز کے مسائل کی ضرورت ہو تو نماز کے مسائل ذکر کرنا چاہیے اگر روزے کے مسائل کی ضرورت ہو تو روزوں کے مسائل ذکر کرنا چاہیے، اگر خرید وفروخت کے مسائل کی حاجت ہے تو ان کو ذکر کیا جائے، غرضیکہ مختلف قسم کے مسائل خرید وفروخت کے

مسائل کوہم سب کا جاننا ضروری اور فرض عین ہے، کیونکہ عبادات اور دینی معاملات انہی مسائل پر موقوف ہیں، بغیر ان مسائل کے جانے ہوئے نماز روزہ صحیح طریقے سے کس طرح ادا کیے جاسکتے ہیں، غرضیکہ دین کی پوری عمارت انہی مسائل پر قائم رہتی ہے، بایں وجہ ہر مسلمان پر ان مسائل کا جاننا فرض ہے، اور ذکر پیدائش زیادہ سے زیادہ مستحب ہوگا، فتاویٰ رشیدیہ کے اندر صفحہ ۱۲۲ پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے: کہ نفس ذکر ولادت فخر دو عالم ﷺ مندوب ہے، مگر میلاد مروجہ بدعت ہے۔ آج ہم نے فرائض کو مستحبات کا درجہ دیدیا اور مستحبات کو فرائض سے بھی آگے بڑھادیا، اسی افراط وتفریط سے منع کیا جاتا ہے، بہر حال ذکر پیدائش کو کسی خاص محفل کے ساتھ مخصوص کرکے لازم قرار دینا بس یہ لزوم اور تخصیص بدعت ہے اور اسی سے روکا جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ: ۲۵۸، کتاب البدعات، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

☆☆☆☆

محمد ﷺ کی عظمت اہل اسلام پر مخفی نہیں

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! فقد قال الله تعالیٰ:

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة"

محترم سامعین! سرورکائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت وبڑائی اہل اسلام پر مخفی نہیں، آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر و باہر ہے، تمام کائنات میں صرف آپ ہی کی ذاتِ بابرکت ایسی ہے کہ جس کی شان میں بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے:

"**لایمکن الثناء کما کان حقه** ☆ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

باوجود اس عظمت وشان کے اور علو مرتبہ اور عالی مرتبہ کے آپ کے اندر تواضع اس قدر تھی کہ آپ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے، کئی مرتبہ آپ کو ایک شخص نے ان الفاظ سے یاد فرمایا کہ اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو گرادے، میں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس سے زیادہ بڑھاؤ۔

عن أنس بن مالک جاء رجل إلی رسول الله ﷺ فقال یا خیر البریة فقال رسول الله ﷺ ذاک ابراهیم علیه السلام(صحیح مسلم ۲/۲٦٥، باب فضائل ابراهیم علیه السلام مطبوعه مکتبه بلال دیوبند رقم الحدیث: ٦١٣١)

ایک مرتبہ آپ کو ایک شخص نے یا خیر البریۃ (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر پکارا،

آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، ایک صحابی کا بیان ہے کہ بنی عامر کے ہمراہ ہم لوگ حضورﷺ کی خدمت مقدسہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضورﷺ آپ ہمارے آقا (سید) ہیں آپ نے عرض فرمایا کہ آقا خدا ہے پھر ہم نے عرض کیا اچھا آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں، آپ نے عرض فرمایا کہ جب بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تم کو چلا تو نہیں رہا، یہ تھا تواضع اشرف الانبیاء والملائکۃ کا کہ جائز اور درست الفاظ بھی اپنی تعریف میں پسند نہیں فرماتے تھے۔

غور کیجئے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو تواضعاً سر مبارک کو اس قدر جھکا لیا کہ کجاوے سے آ کر مل گیا، اس کے علاوہ آپ گھر کا کاروبار خود کرتے تھے، کپڑوں میں پیوند خود لگاتے تھے، جوتے مبارک پھٹ جاتے تھے تو آپ خود سلتے تھے، گھر میں جھاڑو خود دیتے تھے، گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے پاس بیٹھتے تھے اور ان کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے تھے، غریب سے غریب جب بیمار ہوتا تو آپ اس کی عیادت کے واسطے تشریف لے جاتے، جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے، تواضعاً آپ اکثر اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور ارشاد ہوتا کہ میں بندہ اور بندوں کی ہی کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں، ایک مرتبہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی لوگ زیادہ آ گئے تو آپ اکڑوں بیٹھ گئے تاکہ جگہ نکل آئے، ایک دیہاتی بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا کہ اے محمد! یہ انداز نشست کیسا؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو خاکسار بندہ بنایا ہے، جبار و سرکش اور متکبر نہیں بنایا، آپ کے کمال تواضع کا اندازہ کیجئے کہ جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہم مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آپ بھی ان کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی، اس مقدس مسجد کی

تعمیر میں صحابہؓ کی طرح آپ بھی بنفس نفیس شریکِ کار تھے، خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا کر لے جاتے تھے، صحابہ فرماتے کہ اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں آپ پر قربان ہو جائیں آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، ہم خادمین سب کام کریں گے، مگر آپ اپنے فرض سے باز نہ آئے، غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مدینہ منورہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے وہیں آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کھودنے میں مشغول تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی کی تہہ جم گئی تھی۔

ایک مرتبہ سفر میں کھانا پکانے کی ضرورت پڑ گئی، صحابہؓ نے باہم مل کر کھانا پکانے کا بندو بست کیا اور سامان اکٹھا کرنے کے لیے کام آپس میں تقسیم کر لیے، جو کام سب سے اہم اور مشکل تھا یعنی جنگل سے لکڑیاں لانا، اس کو حضور سید عالم شہنشاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ سب کام ہم خادمین کرلیں گے آپ نے فرمایا: کہ ہاں ٹھیک ہے مگر یہ پسند نہیں کہ تم سے ممتاز رہوں، خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز رہتا ہے، یہ تھا کمال تواضع اور غایت درجہ خاکساری، آپ کی سادگی کی یہ کیفیت تھی کہ کھانے پینے میں سے جو کچھ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا اس کو نوش فرمالیتے، پہننے کے لیے جو پیش خدمت ہوتا بے تکلف زیب تن فرمالیتے، لباس میں نمائش بالکل ناپسند تھی، سامانِ آرائش سے آپ طبعاً نفور تھے، آپ کے واسطے آٹے میں سے بھوسی صاف نہ کی جاتی، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ مل جاتی بے تکلف بیٹھ جاتے، اس سادگی کی وجہ سے مجلس اور محفل میں یہ امتیاز نہیں ہوتا تھا کہ ان میں بزرگ اور سردار کون ہے؟ حتیٰ کہ جب کبھی کوئی اجنبی آدمی مجلس نبوی میں آتا تھا تو پوچھنا پڑتا تھا کہ "**من محمد فیکم**" تم میں محمد کون ہیں؟ کیونکہ آپ کے سر مبارک پر کوئی ایسا بڑا عمامہ نہ ہوتا تھا کہ جس سے دوسروں سے ممتاز ہوتے اور نہ کوئی ایسا مخصوص لباس ہوتا تھا کہ جس سے لوگ پہچان لیا کرتے۔

درِ یتیم کی پیدائش

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد! فقد قال اللہ تعالیٰ:
لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آج ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور دن دوشنبہ ہے (بارہ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں دن دوشنبہ پڑا تھا) اسی مہینے اور اسی تاریخ میں حضور سید کائنات شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف واقع ہوئی تھی، آج کی تاریخ عوام میں "بارہ وفات" کے نام سے مشہور ہے، اس نام سے اشارہ اس بات کی طرف ملتا ہے کہ اسی مہینے، اسی دن اور اسی تاریخ میں آپ کی وفات شریف بھی واقع ہوئی، ولادت شریف بھی اسی مہینے اور اسی دن اور اسی تاریخ میں واقع ہوئی، اور وفات شریف بھی اسی مہینے، اسی دن اور اسی تاریخ میں واقع ہوئی، مہینہ بھی وہی دن بھی وہی تاریخ بھی وہی، نیز اس کے علاوہ اسی مہینے اور اسی دن میں نبوت بھی آپ کو ملی، اور اسی مہینے، اسی دن اور اسی تاریخ میں آپ مہاجر ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے۔

غرضیکہ بارہ ربیع الاول اور دن دوشنبہ کو بڑی خصوصیت اور اہمیت حاصل ہے کہ حضور سیدِ کائنات شہنشاہ دو عالم ﷺ کے خصوصی امور اسی مہینے اور اسی دن اور اسی تاریخ میں وقوع پذیر ہوئے، بہر حال عرب جیسی جہالت کا مٹانے والا مصلح، اسلام کا جھنڈا لہرانے والا پیغمبر، قرآن کا پیغام پہنچانے والا نبی بارہ ربیع الاول بروز دوشنبہ کو اس عالم دنیا پر رونق افروز ہوا۔

اولاً سات روز تک آپ نے ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ کا دودھ نوش فرمایا،

اس کے بعد عرب کے دستور کے مطابق، آپ دودھ اور پرورش کے لیے ایک بدوی اور دیہاتی خوش نصیب عورت حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد فرمائے گئے۔

اہل قریش کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ اور پرورش کے لیے دیہاتی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے؛ اس کی دو وجہیں تھیں: اول یہ کہ دیہات کی آب و ہوا بنسبت شہر کے زیادہ صاف ستھری ہے جو صحت اور تندرستی کے لیے انتہائی ضروری ہے، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت کے عربی دیہات کی زبان بنسبت شہر کے زیادہ فصیح و بلیغ تھی اور اہل قریش کو اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت کا بڑا ہی خیال تھا کہ بچوں کی زبان نہ بگڑنے پائے، تو ان وجوہات کی بناء پر اہل قریش کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کی دودھ اور پرورش کے لیے دیہاتی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے، اہل قریش نے پرورش کے لیے کچھ دیہاتی قبائل منتخب کر لیے تھے، ان قبیلوں سے گاہے گاہے عورتیں مکہ آ کر بچوں کو دودھ اور پرورش کے لیے لے جایا کرتی تھیں۔

چنانچہ حسب دستور دیہات سے قبیلہ بنو سعد کی کچھ عورتیں شیر خوار بچوں کو لینے کے لیے مکہ آئیں، ان عورتوں میں ایک حضرت حلیمہ بھی تھیں جو انتہائی غریب اور تنگ دست اور فاقہ کش تھیں، سات سات روز تک فاقہ ہو جایا کرتے تھے، فاقہ کی وجہ سے جسم انتہائی لاغر اور کمزور ہو گیا تھا، تو حضرت حلیمہؓ کے علاوہ سبھی عورتوں کو قریش کے مالدار بچے مل گئے۔ مگر حضرت حلیمہ کو ان کی غریبی اور لاغری کی وجہ سے کوئی بچہ نہیں ملا، ادھر حضرت عبد اللہ کے غریب یتیم کو ان کی غریبی اور یتیمی کی وجہ سے کسی عورت نے قبول نہیں کیا کہ اس غریب اور یتیم سے ہم کو کیا آمدنی ہوگی، بہر حال جب حضرت حلیمہ کو ان کی غریبی اور لاغری اور پریشان حالی کی وجہ سے کوئی بچہ نہیں ملا، تو حضرت عبد اللہ کے غریب و یتیم کے قبول کرنے پر نیم سی راضی ہو گئیں؛ یعنی کبھی یہ خیال کرتیں کہ جب کوئی بچہ نہیں ملا تو یہ غریب اور یتیم ہی سہی جو

تقدیر میں ہوگا ملے گا، اور کبھی یہ خیال کرتی کہ یہ بچہ غریب بھی ہے یتیم بھی اس سے انعام اور اجرت کی کیا امید کروں، بالآخر جب حضرت حلیمہ کی نظر اس یتیم پر پڑی تو فریفتہ ہوگئیں اور خوشی خوشی قبول کرنے پر راضی ہوگئیں۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اس بچہ کی یتیمی اور غریبی کی وجہ سے کوئی عورت اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتی تھی، لیکن اگر عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ یتیم اور غریب بچہ آگے چل کر اشرف الانبیاء اور امام الانبیاء بننے والا ہے، تاریک دنیا کو روشن کرنے والا ہے، تو ہر عورت یہی تمنا کرتی کہ یہ یتیم اور غریب بچہ ہمارے ہی ہاتھ لگے، بلکہ اس بچہ کے حاصل کرنے میں جنگ تک نوبت پہنچ جاتی، مگر کس کو پتہ تھا کہ یہ یتیم بچہ اشرف الانبیاء اور امام الانبیاء بننے والا ہے، کس کو پتہ تھا کہ اس کے قدم عرش پر پہنچنے والے ہیں، کس کو پتہ تھا کہ امین اور صادق کا لقب پانے والا ہے، کس کو پتہ تھا کہ اس کے فیض سے کوئی صدیق لقب پانے والا ہے، کوئی فاروق کا لقب پانے والا ہے، کوئی ذو النورین کا لقب پانے والا ہے، تو کوئی اسد اللہ کا لقب پانے والا ہے، کس کو پتہ تھا کہ جس اونٹنی پر سوار ہوتے ہی اس کے فیض سے لاغر اور کمزور اور بے دودھ والی اونٹنی توانا اور تندرست اور دودھ والی بن جائے گی، یہ خوش قسمتی صرف حضرت حلیمہؓ ہی کی تھی۔

☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے چند گوشے

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس کے قریب پہنچی، تو آپ کا خیال ریاضت اور عبادت کی طرف مائل ہوا اور طبیعت گوشہ نشینی کی طرف رجوع ہوئی، اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی گئی، آپ کے اس خیال میں ورقہ ابن نوفل یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی بھی شریک رہتے تھے، ورقہ ایک مشہور عالم تھے، جنہوں نے انجیل، تورات اور زبور کا ترجمہ عربی میں کیا تھا۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں توحید کی نہایت عظمت تھی اس لیے بت پرستی سے نفرت تھی، اس وقت خانۂ کعبہ بتوں سے بھرا ہوا تھا، اور ہر دن کا ایک بت علاحدہ علاحدہ تھا، اس حساب سے ۳۶۰ بت تھے، ہبل نام کا ایک بت سب سے بڑا تھا، جو ملک شام سے لایا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادراک میں ان باتوں نے عروج پکڑا، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیغمبروں کو اس کفر اور بت پرستی کو غارت کرنے کے لیے بھیجا تھا، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کا مبعوث ہونا صرف اس واسطے تھا کہ کفر کو مٹا کر خداوند تعالیٰ کی توحید پھیلا دیں، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو پاک اور مستحکم کرنے کے لیے آیا ہوں، نہ کہ کوئی نیا مذہب قائم کرنے کے لیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر درۂ کوہ میں پوشیدہ رہا کرتے تھے، زیادہ تر غار حرا میں رہا کرتے تھے، جو مکہ سے تین کوس کے فاصلے پر ہے، آپ اس زمانے میں اکثر مغموم رہا کرتے تھے

اور غم وفکر میں رہنا آپ کا امر دائی تھا، کبھی آرام نہ تھا، بلاضرورت کسی سے کلام نہیں فرماتے تھے، جب آپ کلام کرتے، تو بہت آہستہ آہستہ بولتے تھے، اور چھوٹے چھوٹے فقروں میں جواب دیتے، جن کے بڑے بڑے مطلب ہوتے تھے۔

بہر حال حضرت محمد ﷺ پر وحی کے نزول کا وقت آچکا تھا، اور یکا یک حضرت جبرئیل علیہ السلام خدا کے حکم سے حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا''اقرا باسم ربک الذی خلق'' یعنی اے محمد ﷺ آپ اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔

آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے بغل گیر ہوئے، جس سے آپ پر نورِ علم چمکا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کے موافق بسم اللہ کہہ کر آخر تک پڑھ دیا، جب آپ پڑھ چکے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ میں جبرئیل ہوں اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت عنایت فرمائی ہے، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام رخصت ہوگئے، چونکہ وحی کے نزول کا پہلا دن تھا بایں وجہ حضور ﷺ پر وحی کے اثر سے کچھ کپکپی اور لرزہ سا رہا، آپ اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، اور ساری کیفیت وحی کے نزول کی حضرت خدیجہ سے بیان فرمائی اور عرض کیا کہ اے خدیجہ! دیکھو مجھے کیا ہوا یہ کہہ کر آپ لیٹ گئے، حضرت خدیجہ بغور آپ کو دیکھتی رہیں، جب آپ کو اس لرزہ سے افاقہ ہوا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ اے خدیجہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ میری اس حالت کو مکر وجنون خیال کریں، حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ اے ابوالقاسم! آپ ایسا ہرگز خیال نہ فرمائیے، تمام لوگ اس بات سے خوب واقف ہیں، اور خوب جانتے ہیں؛ کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، نہ کبھی مکر کیا، نہ کبھی کسی کو دھوکہ دیا اور سب آپ کو امین اور صادق کہتے ہیں اور آج سے نہیں بلکہ عرصۂ دراز سے آپ کو صادق اور امین کہتے چلے آئے ہیں، جب یہ بات ہے تو آپ کے متعلق مکر وجنون کیسے خیال کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میرے پیارے شوہر آپ کو مبارک ہو کہ آج کی رات سے آپ نبی اور رسول بنا دیئے گئے اور فوراً اٹھیں اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں اور جو کچھ کیفیت حضور ﷺ سے سنی تھی بیان کی، ورقہ بن نوفل یہ سنتے ہی کہنے لگے کہ بیشک تم سچ کہتی ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اور تمہارے شوہر کا بیان بالکل صحیح ہے، اور حقیقت میں تمہارے شوہر نبی و رسول بنائے گئے ہیں اور اے خدیجہ! تم ان سے جا کر کہہ دو کہ وہ اپنا دل مضبوط رکھیں اور اپنے ارادہ میں مثل بہادروں کے قدم اٹھائیں۔

چونکہ ورقہ ابن نوفل بڑے عالم تھے، تورات، انجیل وغیرہ خوب جانتے تھے، اور ان کے اندر حضور ﷺ کے نشاناتِ نبوت بھی دیکھ چکے تھے، اس وجہ سے ورقہ بن نوفل نے بے چوں چرا حضرت خدیجہؓ کی خبر کو مان لیا اور جہاں بھی بیٹھتے تھے، حضور کا ذکر مبارک کرنا شروع کر دیتے اور لوگوں کو حضور پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے اور ورقہ بن نوفل کتابوں کے اندر یہ بھی دیکھ چکے تھے، کہ تمام کفار مکہ آپ کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے حتی کہ جنگ تک کی نوبت پہنچ جائے گی، اس وجہ سے انہوں نے حضور ﷺ سے قسم کھا کر کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو آپ کے ساتھ کفار مکہ سے ضرور لڑوں گا، مگر یہ تمنا ان کے دل میں ہی رہی اور تھوڑے عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

بہر حال حضور اکرم ﷺ کو جب نبوت مل گئی تو آپ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا شروع کر دی، سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپ پر ایمان لائیں اور تمام کنبہ اور خاندان میں جہاں تک ان کا اثر تھا ایمان کی دعوت دیتی رہیں، حتی کہ ان کے خاندان سے بت پرستی ختم ہو گئی، اور وحدہ لاشریک کی عبادت ہونے لگی، حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں اور حضرت

ابوبکر صدیقؓ اسلام سے مشرف ہوئے، چونکہ ابوبکر صدیقؓ قریش میں نہایت ہی مالدار تھے، اور اپنی ایمانداری اور بلند ہمتی کی وجہ سے تمام عرب میں مشہور و معروف تھے، اس وجہ سے ان کے ایمان لانے سے تمام عرب میں ایک تہلکہ مچ گیا۔

بہر حال یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا اور حضور ﷺ کی طرف سے ابھی اعلانیہ دعوت بھی نہ تھی، بلکہ خاص خاص احباب اور متوسلین تک دعوت اسلام محدود تھی، اور کچھ لوگ باہر سے آ کر بھی ایمان لائے، غرضیکہ اسی طرح ۳رسال گزر گئے اور اب تک مسلمانوں کی تعداد فقط انتالیس تک پہنچی تھی، اور یہ لوگ نماز گھروں یا پہاڑوں میں چھپ کر پڑھا کرتے تھے، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی، "**فاصدع بما تومر واعرض عن المشركين**" پس اس آیت کریمہ کے اترتے ہی حضور ﷺ نے اعلانیہ دعوت اسلام شروع کرنے کا ارادہ فرمالیا۔

بزرگوں اور دوستو! ایسی دشمنی کے وقت میں ان کے بتوں کو برا کہنا اور بت پرستی سے روکنا کوئی آسان کام نہ تھا، پھر آپ نے تنِ تنہا ایسی جری اور اجڈ قوم کو مذہب حقہ کی تلقین کی، کہ جس کے نزدیک سو پچاس خون کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی، بتائیے کس قدر بلند ہمتی اور بہادری کی بات ہے۔

غرضیکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم پاتے ہی آپ نے کھلم کھلا اور علی الاعلان تبلیغ کا ارادہ فرمالیا، اور تبلیغ کی ابتدا اپنے خاندان والوں سے فرمائی، اور خدا کا حکم بھی یہی تھا، کہ تبلیغ کی ابتداء خاندان میں سے ہو، "**وانذر عشيرتك الاقربين**" یعنی اے محمد ﷺ پہلے آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے، چنانچہ آپ کوہِ صفا پر چڑھ کر اہل خاندان کو آواز دی یامعشر القریش، یابنی عدی، اس آواز کو سنتے ہی تمام اہل قریش چھوٹے بڑے کوہِ صفا کے چاروں طرف جمع ہو گئے، اور جو نہیں آسکتے تھے انہوں نے اپنا آدمی بھیج دیا۔

عرب کا دستور تھا کہ جب کبھی کوئی مشکل کام پیش آجاتا تھا تو پہاڑ پر چڑھ کر اسی طرح آواز دیدیا کرتے تھے اور لوگ آواز سن کر فوراً جمع ہو جاتے تھے اور جس کو جو کہنا ہوتا تھا کہہ دیا کرتے تھے، اسی دستور کے موافق آپ نے بھی تبلیغ کے واسطے آواز دی، تو سارے لوگ جمع ہو گئے، جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے باآواز بلند فرمایا کہ اے لوگوں! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دوسری طرف ایک عظیم لشکر صرف اس لیے چھپا ہے کہ تمہارے اوپر یک بارگی حملہ کردے گا اور تم سب کو جان سے ماردے گا تو کیا تم سب میری اس بات پر یقین کرو گے، سبھی نے ایک زبان ہو کر کہا کہ بیشک ہم سب آپ کی بات پر پورا یقین کریں گے کیونکہ اے محمد! ہم جانتے ہیں کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور نہ کبھی کسی سے دغا وفریب اور نہ کبھی کسی سے کوئی لغو بات کہتے، نہ آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہے نہ بول سکتے ہیں، نہ فریب دیا ہے اور نہ دے سکتے ہیں، نہ دغا کی ہے اور نہ کر سکتے ہیں، نہ بے ہودگی کی ہے نہ کر سکتے ہو، غرضیکہ آپ ہمیشہ ہی سے صادق وامین ہیں۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا سخت ترین عذاب کو دعوت دینا ہے

آپ نے ان کی اس بات کو سن کر فرمایا کہ اے لوگو! اگر یہی بات ہے اور ہمارے ساتھ تمہارا یہی عقیدہ ہے تو یاد رکھو کہ تم پر سخت ترین عذاب آنے والا ہے جو بغیر توحید کے رفع نہیں ہو سکتا کیونکہ جن دیوتاؤں کو تم مانتے اور پوجتے ہو اور جن کو تم خدا سمجھتے ہو، ان کو انصاف اور غور سے دیکھو تو تم کو خود ہی ان کی کیفیت اور اصلیت معلوم ہو جائے گی کہ جس طرح سے تم نے ان کو بنا دیا ویسے ہی بن گئے، اور جہاں تم نے ان کو رکھ دیا وہیں رکھے رہ گئے، انہیں نہ تو اٹھنے کی قوت نہ تو چلنے کی قوت نہ تو ہنسنے اور مسکرانے کی قوت، غرضیکہ وہ بالکل ہی محتاج اور بے بس ہیں تو پھر ایسے بے بس کو اپنا معبود کیوں بناتے ہو، تمہارے اصلی اور حقیقی معبود نے تم کو اس واسطے نہیں پیدا کیا کہ تم ان واہیات قانون میں اپنی زندگی بسر کرو،

اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے آگے اپنا سر ٹیکو اور سجدہ کرو، خبردار سجدہ صرف خدائے وحدہ لاشریک کے لیے مخصوص ہے اس کے ماسوا کے لیے قطعی ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا صرف ایک خدائے حقیقی کی عبادت کرو اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو، اسی واسطے میں نے تم سب کو بلایا ہے، خدا کے واسطے تم میرا کہنا مانو اور سچی اور سیدھی راہ جس کی میں تم کو ہدایت کرتا ہوں اختیار کرو، تاکہ تمہارا دین و دنیا دونوں میں بھلا ہو اور نجاتِ دارین حاصل ہو۔

یہ سن کر تمام حاضرین قہقہہ مار کر ہنسنے لگے کوئی خفا ہو کر گالیاں بکنے لگا، کوئی آگ کی طرح بھڑکنے لگا، کوئی ہاتھی کی طرح چنگھڑنے لگا، غرضیکہ آپ کی اس گفتگو سے ایک قیامت برپا ہوگئی، ابولہب کو برداشت نہ ہوا اور شدت غصہ کی وجہ سے پائجامہ سے باہر ہو کر کہنے لگا کہ تمہارا برا ہو اے محمد! کیا اسی واسطے تم نے ہم کو جمع کیا تھا، بس اسی جگہ سے کفار مکہ اور حضور ﷺ کے درمیان اعلانیہ عداوت شروع ہوگئی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب تک آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام بلند نہیں فرمایا اور جب تک لا الٰہ کی دعوت نہیں دی اور جب تک بتوں کی مخالفت نہیں کی، اس وقت تک کفار مکہ طرح طرح کے بہترین لقب سے آپ کو پکارتے رہے، کوئی تو آپ کو صادق کے لقب سے پکارتا تھا، کوئی تو امین کے لقب سے پکارتا تھا، تو کوئی آپ کو آقا کہتا تھا، کوئی سردار اور سید کہتا تھا، غرضیکہ آپ کا نام لینا سخت بے ادبی سمجھتے تھے اور غیرت و وفا کا یہ عالم تھا کہ بغیر آپ کے کوئی مشورہ نہیں کرتے تھے، اور جو رائے آپ ﷺ قائم فرما دیتے تھے اور جو فیصلہ آپ کر دیتے تھے اس پر سبھی اتفاق کرتے تھے، بیماری اور بدامنی میں جھاڑ پھونک اور دعا آپ سے کراتے تھے، اس قدر آپ کو مانتے تھے لیکن جیسے ہی آپ نے لا الٰہ الا اللہ کی دعوت شروع فرمائی تو ساری قوم آپ کی دشمن اور مخالف ہوگئی، رشتہ دار بھی دشمن، خاندان والے بھی دشمن، چچا بھی دشمن، ہر شخص دشمن ہی دشمن نظر آ رہا تھا، اور یہ دشمنی ہو جانا کوئی نئی

بات نہ تھی؛ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کراب تک جس نبی نے بھی اور جس داعی اور مبلغ نے بھی ایک خدائے وحدہ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلایا اس کوقوم کی دشمنی اپنے سر لینا پڑی، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کوخدا کی طرف بلایا تو آپ کی بھی قوم دشمن ہوگئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کوخدا کی طرف بلایا تو آپ کی قوم دشمن ہوگئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کوخدا کی طرف بلایا تو آپ کی بھی قوم دشمن ہوگئی، اسی طرح جب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کوخدائے برحق کی طرف بلایا اور ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا تو ساری قوم دشمن اور مخالف ہوگئی، اور اب بھی یہی حال ہے کہ جو شخص بھی صحیح دین اور صحیح راستے کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے تو اس کے بھی مخالف ہوجاتے ہیں اور طرح طرح کے بے ہودہ لقب سے پکارا جاتا ہے، کوئی وہابیہ کہتا ہے تو کوئی بھڑ یہ کہتا ہے تو کوئی ۲۶ نمبر کہتا ہے تو کوئی ۹ نمبر کہتا ہے اور کوئی غیر مناسب الفاظ سے نوازتا ہے، طرح طرح کے غلط سلط الفاظ سے ان کو یاد کیا جاتا ہے۔

میرے محترم حضرات اور نوجوان لڑکوں وہ آپ کا کیا بگاڑتے ہیں اگر ان کی زبان سے دین کی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں تو خدا کے واسطے ان کو برا بھلا کہہ کر اپنی عاقبت مت خراب کرو، خدا کی قسم ان کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ آپ کے برا بھلا کہنے سے ان کی نیکیوں میں مزید اضافہ ہوگا اور قیامت کے روز ان کو ان لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے دین کے پھیلانے میں گالیاں کھائیں اور سختیاں برداشت کیں، اگر ان کو برا بھلا کہیں گے تو یاد رکھئے کہ ہمارا شمار ان لوگوں میں کیا جائے گا؛ جنہوں نے خدا کے دین کو پھیلانے والوں کو برا بھلا کہا ہے، اگر نوح علیہ السلام کو برا بھلا کہا گیا ہے تو یاد رکھئے کہ کہنے والے کافر اور مشرک تھے، حضرت لوط علیہ السلام کو برا کہنے والے بھی کافر و مشرک تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برا کہنے والے بھی کافر و مشرک تھے، حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو برا کہنے والے بھی کافر ومشرک تھے، حضورﷺ کو برا کہنے والے اور مخالفت کرنے والے بھی کافر ومشرک تھے، ان کے درمیان کفر وشرک کا تاریک پردہ حائل تھا، جس کی وجہ سے مذہب اسلام کے حقائق ان پر واضح نہیں ہورہے تھے، ان میں سے اکثر یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا مذہب حق ہے اور محمد کا مذہب غلط ہے، اسی وجہ سے برا بھلا کہہ رہے تھے، اگر ان کو اس بات کا پورے طور پر انکشاف ہوجاتا کہ محمد کا مذہب حق ہے تو وہ برا نہ کہتے، چنانچہ جن لوگوں کو آپ علیہ السلام کے حق ہونے کا انکشاف ہوتا گیا وہ مسلمان ہوتے گئے۔

غرضیکہ ان کا برا بھلا کہنا ان پر کفر وشرک کے تسلط کی وجہ سے تھا، اور آج ہم کلمہ گو ہیں، مسلمان کہلانے والے ہیں، محمدﷺ کو ماننے والے ہیں، ہمارے درمیان ان کی طرح کفر اور شرک کا نعوذ باللہ پردہ حائل نہیں ہے، وہ کافر تھے ہم مسلمان ہیں وہ مشرک تھے ہم ایک خدا کی عبادت کرنے والے ہیں، نیز ہم اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ یہ وہابی جو کچھ بھی کہتے ہیں قرآن وحدیث ہی سے کہتے ہیں، پھر بھی ہم ہٹ دھرمی پر اتر کر ان کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں، ہمیں ایسا نہیں کہنا چاہیے۔

ویسے میں یہ عرض کررہا تھا کہ جب حضورﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر ایک خدا کی طرف لوگوں کو بلایا تو ساری قوم آپ کی دشمن ہوگئی اور طرح طرح کی سخت تکلیفیں پہنچانے لگی، کانٹے آپ کے راستے میں ڈالنے لگی، کوڑہ آپ کے سر پر ڈالنے لگی، سنگ باری اور پتھراؤ سے آپ کو لہولہان کردیا جاتا۔

غرضیکہ ایسی ایسی تکالیف پہنچانے لگے جو انسانی مادہ کے تحمل سے باہر ہے، یہ تو صرف حضور اکرمﷺ کی ذات اقدس ایسی تھی کہ: ان تکالیف میں گرفتار ہوکر بھی اپنے مستقل ارادے سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹے، یہ تھی آپﷺ کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی۔

☆☆☆☆

زیارتِ قبور و آداب، منکرات و مکروہات

قبروں پر جانے سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے، آنکھیں بھر آتی ہیں، دل نرم ہوتا ہے، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے، ذیل میں حضرتؒ کا مفصل مضمون اس سلسلے میں درج کیا جاتا ہے جس سے زیارتِ قبور کے آداب اور طریقہ نیز منکرات و مکروہات سے بچنا ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے۔ (مرتب)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! فقد قال رسول الله ﷺ: ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة او کما قال علیه الصلاة والسلام"

میرے محترم بزرگوں اور دوستو! آپ حضرات کے سامنے آج زیارت قبور کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شرعاً زیارت قبور جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو صرف مردوں کے لیے یا عورتوں کے لیے بھی اگر صرف مردوں کے لیے تو اس کا سنت طریقہ کیا ہے؟ اور یہ بھی ان شاء اللہ عرض کروں گا کہ ہم نے کیا طریقہ گھڑ رکھا ہے۔

زیارت قبور کے جواز میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ:۱۱۲، ترمذی ۱/۲۰۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے۔

پہلی حدیث کے اندر ایک بات قابل غور ہے، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے شروع شروع

میں زیارت قبور سے کیوں منع فرمایا تھا؟ منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اسلام سے پہلے اہل عرب بت پرست اور قبر پرست تھے، اور صحابہ کرامؓ بھی اسلام سے مشرف ہونے سے پہلے بت پرستی اور قبر پرستی کے عادی تھے۔ بایں وجہ حضورﷺ نے خیال فرمایا کہ صحابہ کرام اسلام سے قبل، قبر پرستی کے عادی تھے، ابھی تازے تازے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ زیارت قبور کے وقت سابقہ عادت کے موافق ان سے بھول ہو جائے اور قبر پرستی میں مبتلا ہو جائیں، صرف اس قبر پرستی کے اندیشہ کی وجہ سے حضورﷺ نے صحابہ کرام کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا، پھر جب صحابہ کرام کا ایمان مزید مستحکم اور مضبوط ہو گیا اور اچھی طرح سے راسخ فی القلب ہو گیا، اور قریش کا اندیشہ بالکل ختم ہو گیا، تب حضورﷺ نے صحابہ کو زیارت قبور کی اجازت مرحمت فرمادی تھی، مگر پھر بھی اس اندیشہ سے خبر دار کرتے ہوئے اپنی وفات سے پانچ روز قبل حضورﷺ نے تاکید بھی فرمادی کہ اے لوگو! خبر دار ہو جاؤ کہ تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، تم ہرگز ہرگز قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا میں تم اس سے منع کرتا ہوں۔ (یہ مضمون حجۃ اللہ البالغہ مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے مستفاد ہے، رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ ۳/۶۹۴، مکتبہ حجاز دیوبند)

میرے بزرگو! صحابہ کرامؓ ایمان لانے کے بعد قبر پرست نہیں تھے اور نہ ہی قبر پرستی کر سکتے تھے، لیکن پھر بھی زمانۂ سابقہ کے پیش نظر حضورﷺ نے احتیاط فرماتے ہوئے صحابہ کو زیارت قبور سے روک دیا تھا، بعد میں جب اجازت فرمائی تو اپنے اندیشہ کا اظہار فرماتے ہوئے تاکید فرمادی کہ خبر دار! قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، غور فرمائیے کہ جس اندیشہ کی وجہ سے حضورﷺ نے صحابہ کو زیارت قبور سے منع کیا تھا وہ اندیشہ آج موجود نہیں ہے؟ صرف اندیشہ نہیں، بلکہ قبر پرستی ہو رہی ہے، خدا کو چھوڑ کر قبروں کو سجدہ کیا جاتا ہے، قبروں کا طواف کیا جاتا ہے، نذر و نیازیں چڑھائی جاتی ہیں، مرادیں مانگی جاتی ہیں، تو ہمارے علماء

ایسی زیارت کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں، حضورﷺ نے صرف اندیشہ کی وجہ سے مسلمانوں کو روکا تھا، آج ہمارے علماء اپنی آنکھ سے دیکھ کر روکتے ہیں تو کیا برا کرتے ہیں، اگر جائز طریقے سے زیارت کرو تو منع بھی نہیں کر سکتے۔

غیر اللہ کیلیے سجدہ کرنا جائز نہیں، چاہے تعظیمی ہی کیوں نہ ہو

غیر خدا کے لیے سجدہ ایک انتہائی خطرناک مسئلہ ہے، اس وجہ سے اس کو قدرِ تفصیل سے سن لو، سجدہ نیت کے اعتبار سے دو قسموں پر ہو سکتا ہے، اول سجدہ تعبدی (یعنی عبادت والا سجدہ) دوم سجدہ سلامی (یعنی تحیۃ اور سلام والا سجدہ) سجدہ تعبدی اسے کہتے ہیں: جو عبادت کی نیت سے کیا جائے، جیسا کہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے کرتے ہیں، اور سجدہ سلامی اسے کہتے ہیں: کہ جو صرف سلام اور تحیۃ کی نیت سے کیا جائے، عبادت کی غرض سے ہرگز نہ ہو، جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے روبرو کیا تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے روبرو کیا تھا، یہ سجدے سلامی تھے، تعبدی نہیں تھے، تو سجدہ تعبدی یہ صرف خدائے وحدہ لاشریک کے لیے خاص ہے، اور اُسی کا حق ہے، بجز خدا کے کسی اور کے لیے قطعاً جائز نہیں، صریح کفر اور شرک ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کسی بھی شریعت میں یہ سجدہ تعبدی غیر خدا کے لیے جائز نہیں رکھا گیا، ہر شریعت میں یہ سجدہ غیر خدا کے لیے شرک جلی ہی بتلایا گیا ہے، اور کیوں نہ شرک ہو، جبکہ عبادت کے لائق وہی ایک ذات مقدسہ ہے، وہی ہمارا خالق و مالک ہے، وہی ہمارا رازق اور مشکل کشا ہے۔

غرضیکہ سجدۂ تعبدی غیر خدا کے لیے ہر زمانے میں بالاتفاق شعار شرک ہی رہا، اب رہا غیر خدا کے لیے سجدہ سلامی کا مسئلہ، سو یہ پہلی بعض شریعتوں کے اندر جائز تھا، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت کے اندر سجدۂ سلامی غیر خدا کے لیے جائز تھا، اب ہماری

شریعت محمدیہ ﷺ کے اندر جس طرح سے سجدۂ تعبدی غیر خدا کے لیے حرام ہے، اسی طرح سے سجدۂ سلامی بھی غیر خدا کے لیے، ہمارے آقا ﷺ نے حرام فرمادیا۔

چنانچہ حضرت قیس بن سعدؓ کی روایت کردہ حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ میں مقام حیرہ پہنچا، تو ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کا سجدہ کرتے ہیں، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ حضور ﷺ زیادہ مستحق ہیں، کہ ان کا سجدہ کیا جائے، پھر میں نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا؛ کہ یارسول اللہ! میں مقام حیرہ میں گیا تھا، تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ؛ اپنے سردار کا سجدہ کرتے ہیں، تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں، کہ لوگ آپ کا سجدہ کریں، حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اے قیس! بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارا گذر میری قبر پر ہوا تو کیا اس کو بھی سجدہ کروگے؟ حضرت قیس فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا، آپ نے فرمایا کہ اے قیس! ایسا کام مت کرو (یعنی میرا سجدہ مت کرو) اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا، تو عورتوں کو دیتا کہ وہ اپنے شوہر کا سجدہ کریں، اس حق کی وجہ سے جو ان پر خداتعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

عن قيس بن سعد: قال أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم فقلت رسول الله أحق أن يسجد له قال فأتيت النبي ﷺ فقلت إني أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان فأنت يا رسول الله أحق أن يسجد لک، قال: أرأيت لو مررت بقبري أكنت تسجد له؟ قال قلت لا قال: فلا تفعلوا لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت النساء أن تسجد لأزواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق. (ابو داؤد شریف حدیث نمبر: ۲۱۴۰)

محترم بزرگو اور دوستو! اس حدیث شریف کے اندر حضور ﷺ نے زندگی میں اپنی ذات کے لیے اور وفات کے بعد اپنی قبر مبارک، دونوں کے لیے، سجدہ کی ممانعت فرمادی، بلکہ قبر کے لیے سجدہ کو اور بھی زیادہ حرام فرمایا، جیسا کہ حدیث کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا

ہے؛ کہ جب حضرت قیسؓ نے حضورﷺ سے آپ کے لیے سجدہ کی اجازت چاہی، تو حضور ﷺ نے حضرت قیس سے پوچھا کہ کیا تم میری قبر کا بھی سجدہ کرو گے؟ تو انہوں نے فوراً عرض کیا کہ نہیں قبر کو تو میں سجدہ نہیں کروں گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کو سجدہ کرنا، اس قدر مذموم اور برا ہے کہ اس کے حرام ہونے میں حضرت قیسؓ کو شک ہی نہیں تھا، پہلے ہی سے ان کو یقین تھا کہ وفات کے بعد قبر کا سجدہ حرام ہے، صرف بحالت زندگی سجدہ کے جائز ہونے میں احتمال تھا، وہ رفع کر دیا گیا، اس سے واضح ہو گیا کہ قبر کو سجدہ کرنا، زندہ بزرگ کو سجدہ کرنے سے زیادہ برا او قابل مذمت ہے۔

برادرانِ اسلام! جب حدیث سے زندہ کو سجدہ کرنا حرام ٹھہرا، تو قبر کو بدرجہ اولیٰ اس سے بھی زیادہ حرام ہوگا، پھر جب حضورﷺ نے اپنے لیے اور اپنی قبر مبارک کے لیے سجدہ سلامی کو جائز نہیں رکھا، تو اور کس کی ذات ہے؟ کہ اس کا سجدہ کیا جائے۔

میں قبر پر سجدہ کرنے والوں اور سجدہ جائز رکھنے والوں اور جائز بتلانے والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب حج کرنے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، کیا وہاں آپ حضور ﷺ کی مزار مبارک پر سجدہ کرتے ہیں؟ اگر نہیں، تو آپ کی یہ جرأت اور جسارت ہے کہ اشرف الانبیاء، آقائے دو جہاںﷺ، کو چھوڑ کر دوسروں کا سجدہ کریں، کوئی حاجی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ حضورﷺ کے روضہ اقدس پر سجدہ ہوتا ہے، کیا مدینہ منورہ جانے والا کوئی کہہ سکتا ہے؛ کہ ہم نے روضۂ اقدس پر سجدہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے، اگر نہیں تو ہماری سمجھ کہاں چلی گئی؟ کہ اتنی موٹی سی بات سمجھ نہیں آتی، آپ اپنی زبانِ عمل سے گویا آواز دے رہے ہیں، کہ اے آقائے مدنیﷺ! اور اے شہنشاہ دو جہاں! ہم آپ کو آقا تو تسلیم کرتے ہیں، شہنشاہِ دو جہاں بھی مانتے ہیں اور اشرف الانبیاء بھی تسلیم کرتے ہیں؛ لیکن ابھی آپ کی عظمت ہمارے قلب میں اتنی نہیں ہے، کہ اپنے مسجود پیروں اور بزرگوں کی طرح آپ کا بھی سجدہ کریں، میرے محترم! چاہے آپ کی زبانِ عمل کی یہ آواز آپ کے گوشِ فہم گوشِ قلب میں

نہ پہنچتی ہو، لیکن حقیقت یہی ہے اگر آپ کو اس حقیقت سے انکار ہے، تو پھر جواب دیا جائے کہ آخر آپ روضۂ اقدس پر سجدہ کیوں نہیں کرتے۔

اگر اس لیے نہیں کرتے کہ حضورﷺ نے مخالفت فرمائی ہے، تو پھر دوسروں کی قبروں پر سجدہ کیوں کرتے ہیں، کتنی کھلی ہوئی بات ہے کہ جب آقا کا سجدہ نہیں رہا، تو غلاموں کا سجدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

عرس، درگاہ اور مزارات

میری ماؤں اور بہنو! کان کھول کر سن لو! حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: کہ حضورﷺ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ابن عباس سے ایک دوسری روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ حضورﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، اور قبروں پر مسجد بنانے اور چراغ جلانے والوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی ابوداؤد، تقویۃ الایمان ص:۲۴۱)

میری ماؤں اور بہنو! عرسوں اور درگاہوں میں اور مزاروں پر جا کر حضورﷺ کی لعنت اپنے سر لیتی ہو، تم وہاں جا کر سوائے شرک اور کفر کے اور کچھ نہیں کرتی ہو، اسی وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کی زبان سے لعنت کرادی، تاکہ حضور کی پھٹکار اور لعنت سے خوف زدہ ہو کر تم توبہ کر ڈالو اور مزاروں پر جانے سے باز آجاؤ، میری ماں اور بہنو مردوں کو تو قبروں پر جانے کی اجازت ہے، بشرطیکہ طریقہ صحیح ہو لیکن عورتوں کو بالکل اجازت نہیں کہ وہ قبروں کی زیارت کریں۔

میری ماؤں اور بہنو! غور کرو کہ خدا تعالیٰ نے گھر تمہارے واسطے مسجد بنا دیا تم گھر ہی میں نماز پڑھو، تمہارے لیے مسجد میں نماز بہتر نہیں، کیونکہ تم پردہ نشیں عورت ہو، جمعہ تم پر فرض نہیں، کیونکہ تم پردہ نشیں عورت ہو، عید بقرعید کی نماز پر تم واجب نہیں، کیونکہ تم پردہ نشیں

عورت ہو، جہاد تم پر فرض نہیں کیونکہ تم پردہ نشیں عورت ہو، تم پر کمانا واجب نہیں خود مرد تمہارے نان ونفقہ اور کھانے پینے کا ذمہ دار ہے، تمہاری ذمہ داری نہیں کیونکہ تم پردہ نشیں عورت ہو، جب یہ اہم چیزیں تم پر فرض اور واجب نہیں (جو مردوں پر فرض ہیں) محض اس بنا پر کہ تم عورت ہو تو قبروں پر جانا تمہارے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے، خصوصاً اس زمانے میں جبکہ عرسوں میں جانے کا مقصد ہی صرف نظارہ بازی اور چھیڑا چھیڑی رہ گیا ہے، کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟ قطع نظر شریعت کے غیرت مند عقل بھی عرسوں میں جانے سے روکتی ہے۔

میری ماؤں بہنو! قبر پرستی سے باز آ کر حضور ﷺ کی لعنت اور پھٹکار سے بچو صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کے سامنے سر رگڑو، اسی سے اپنی مشکلیں حل کراؤ۔

نذر ومنت

میری ماں اور بہنو! خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی نذر ومنت ماننا قطعی حرام ہے بلکہ شرک ہے صرف اسی ایک خدا وحدہ لاشریک کی نذر مانو، کیونکہ وہی قادر اور مختار ہے وہی ہماری پکار کو سننے والا ہے وہی ہمارا کارساز ہے اسی کے اختیار میں سب کچھ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے صحت اور تندرستی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے مرض اور بیماری دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے امیر اور مالدار کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے غریب اور تنگ دست کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بادشاہی اور سلطنت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے گداگری اور درویشی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت اور سرداری دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ذلت اور خواری دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے فرحت وشادمانی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے غم والم ناکی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بصیرت اور دانائی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بہاروں کی مست خوشبوئیں دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے خزاؤں کی سخت تھپیڑیں دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکا اور بیٹا دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکی

اور بیٹی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکا بھی اور لڑکی بھی، جس کو چاہتا ہے کچھ بھی نہیں دیتا، یہ سب اسی کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

قرآن شریف میں کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَخْلُقُ مَا يَشَاءُ، يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُوْرَ، اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَ اِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ. [سورۃ الشوریٰ ۴۹ تا ۵۰]

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، اور یا جس کو چاہتا ہے دونوں دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بانجھ ہی کر دیتا ہے (کچھ بھی نہیں دیتا) وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

یہ ہے اولاد کے بارے میں مشیت خداوندی اور قدرت خداوندی کا صاف اور واضح اعلان کہ سب کچھ خدا ہی کے اختیار میں ہے کسی کو دخل نہیں۔

غور کرو کہ حضرت لوط علیہ السلام کی سب لڑکیاں ہی تھیں، لیکن ایک بھی لڑکا نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب لڑکے ہی تھے ایک بھی لڑکی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں لڑکے بھی ہوئے اور لڑکیاں بھی ہوئیں، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں بے اولاد تھے، بس خدا تعالیٰ جس کو جو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے اور جس عمر میں چاہتا ہے، دیتا ہے۔

غور کرو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۹۰/سال کے بوڑھے ہو چکے تھے؛ لیکن اب تک کوئی بھی اولاد نہیں ہوئی تھی، نہ لڑکی، نہ لڑکا، ہر وقت خدا تعالیٰ سے دعا کرتے تھے، کہ

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ. (الصٰفٰت: ۱۰۰)"

ترجمہ: اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی کا وقت آ گیا، تو آپ کی دعا قبول ہوگئی، اور بڑھاپے کی عمر میں اسماعیل علیہ السلام جیسے ہونہار لڑکے سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا گیا، جب تک خدا کی مرضی نہیں ہوئی آپؐ بے اولاد رہے اور پھر آپ کی دوسری اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو سال کی عمر پیدا ہوئے اور اس وقت ان کی والدہ ماجدہ کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

میری ماؤں اور بہنو! ذرا سوچو تو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نوے سال کی عمر تک بے اولاد رہے لیکن نہ انہوں نے کسی نبی کی نذر مانی اور نہ کسی بزرگ کی نذر مانی صرف ایک خدائے قادر کی ذات سے لولگائی اور اسی سے اولاد مانگی، خدائے قادر نے ان کو ایک سو سال کی عمر میں بھی اولاد دیدی، تم بھی صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک سے لولگاؤ اور اسی سے اولاد مانگو اور اسی کی نذر اور منت مانو اور کہو کہ اے اللہ اگر ہمارا فلاں کام پورا ہوجائے یا اولاد ہوجائے تو تیرے واسطے روزے رکھوں گی یا نفلیں پڑھوں گی، یا تیرے راستے میں خیرات کروں گی، اگر خدا تعالیٰ کو تمہاری نذر منظور ہے تو ہر حال میں تم کو اولاد دے گا چاہے تمہارے اندر بظاہر اولاد ہونے کی صلاحیت ختم ہی کیوں نہ ہوگئی ہو، حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ پر غور کرو کہ وہ بالکل ہی بوڑھے ہوگئے تھے اور ان کی بیوی بھی بالکل بانجھ ہوگئیں تھیں، نہ کوئی اولاد ہوئی تھی، نہ آئندہ اولاد کی بظاہر کوئی امید تھی، لیکن حضرت زکریا علیہ السلام خدا تعالیٰ کی قدرت کو دیکھے ہوئے تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور طاقت اسباب کی پابند نہیں جس طریقے سے وہ اسباب سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طریقے سے وہ بغیر اسباب کے بھی پیدا کرنے پر قادر ہے، بے ساختہ ان کی زبان سے دعا نکلی "رب ہب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعاء" یعنی اے میرے پروردگار مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر بیشک آپ دعا کو سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کو قبول فرمالیا اور فرشتوں کے ذریعہ سے خوشخبری دلوادی:

فنادته الملائكة و هو قائم يصلي في المحراب ان الله يبشرك بيحى مصدقا بكلمة من الله وسيدا و حصوراً و نبيا من الصالحين. (آل عمران: ۳۹)

ترجمہ: پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں، حجرے کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے، یحیٰ کی جو گواہی دے گا اللہ کے ایک حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائے گا اور نبی ہوگا صالحین سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی فرشتوں نے نماز کی حالت میں حضرت زکریا علیہ السلام کو آواز دی کہ (اے زکریا) اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو لڑکا ہونے کی شہادت دیتے ہیں، جس کا نام یحیٰ (علیہ السلام) ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی گواہی دے گا، اور سردار بھی ہوگا اور عورتوں کے پاس نہ جائے گا، (یعنی شہوات اور لذات سے پرہیز کریں گے) اور نیک صالح نبیوں میں سے ہوگا، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ خوشخبری دی تو انہوں نے عرض کیا، "رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ" یعنی اے میرے پروردگار مجھ کو لڑکا کہاں سے ملے گا (جبکہ) میں بوڑھا ہو چکا اور میری عورت بانجھ ہے (بظاہر اولاد کی کوئی صورت نہیں) اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دیا "**قال كذلك الله يفعل ما يشاء**" یعنی (اے زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں سب آسان ہے) ایسے ہی جو چاہتا ہے کر دیتا ہے (تم پہلے کچھ بھی نہیں تھے اپنی قدرت سے تم کو پیدا کیا) پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا "رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً" ترجمہ: اے رب مقرر کر میرے لیے کچھ نشانی۔ (ترجمہ شیخ الہند) (کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ میری بیوی کو حمل ہو گیا ہے) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا. (آل عمران: ٤١) " ترجمہ: فرمایا نشانی تیرے لیے یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

(جب تجھ کو یہ بات پیش آجائے کہ تین دن کسی سے بجز اشارے کے بات نہ کرسکے اور تیری زبان خالص خدا تعالیٰ کے ذکر کے لیے وقف ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اب بیوی کو حمل ہو گیا ہے۔

بہر حال حضرت زکریا علیہ السلام کو دعاؤں کے صدقے اور طفیل میں یحیٰ علیہ السلام جیسی پیغمبر اولاد مل گئی، یہ ہے مشیت خداوندی اور قدرت خداوندی کہ بڑھاپے کی عمر میں بانجھ عورت سے اولاد مل گئی اور کیوں نہ ملتی جبکہ انہوں نے ایک خدا وحدہ لاشریک سے مانگی۔

میری ماں اور بہنو! حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد نہیں ہوئی تھی تو انہوں نے خدا سے مانگی، حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے بھی خدا سے مانگی، اور تم بزرگوں کی مزاروں پر جا کر ان سے اولاد مانگتی ہو اور ان کی منتیں مانتی ہو، ان بزرگوں کو اولاد کے بارے میں جب زندگی میں کچھ اختیار نہیں تھا تو بعد وفات کے اولاد دینے کا کہاں سے اختیار مل جائے گا، جب حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کو اولاد دینے لینے کا اختیار نہیں تھا، خود انہوں نے خدا سے مانگی تو کسی دوسرے کو اولاد دینے کا اختیار کب مل سکتا ہے۔

بس اسی ایک خدائے قادر سے اولاد مانگو اور اسی کی نذر و منت مانو، خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی نذر و منت ماننا اور یہ کہنا کہ اے فلاں بابا اگر ہمارا فلاں کام پورا ہو جائے یا اولاد مل جائے تو تمہارے نام پر فلاں چیز نذر کروں گی، یہ بالکل شرک ہے، ایسی نذر و منت کی چیز کھانا قطعی حرام ہے، قرآن کے دوسرے، چھٹے، آٹھویں اور چودھویں پارے کے اندر بصیغہ مختلفہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ" یعنی حرام فرما دیا خدا نے تم پر مردہ جانور کو اور خون کو اور سور کو اور وہ چیز بھی جو غیر خدا کو نذر کر دی گئی ہو۔

ذرا غور کرو کہ غیر خدا کو نذر کی ہوئی چیز کو خدا تعالیٰ نے مردہ اور سور کے ساتھ ذکر

فرمایا ہے، کہ جس طریقے سے مردہ اور سور حرام ہیں اسی طریقے سے غیر خدا کو نذر کی ہوئی چیز بھی حرام، جو چیز پہلے حلال تھی وہ غیر خدا کو نذر کرنے سے ایسی حرام ہوگئی کہ خدا نے اس کو سور کے ساتھ ذکر فرمایا اور پھر ایک جگہ نہیں بلکہ قرآن کے اندر چار جگہ ذکر فرمایا اور ہر جگہ سور کے ساتھ ہی ذکر کیا، جس کو دیکھنا ہو قرآن کھول کر دیکھ لے، پارہ دو رکوع: ۵، پارہ ۶ رکوع ۵، پارہ ۸ رکوع ۵، پارہ ۱۴ / رکوع ۲۱۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمر ابن لحی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا، یہی وہ شخص ہے کہ جس نے سب سے پہلے غیر خدا کے نام پر جانور کی نذر کی تھی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو غیر خدا کے نام پر جانور کی نذر کر کے ذبح کرے، چونکہ زمانۂ جاہلیت میں جانور ہی کی اکثر نذر مانی جاتی تھی اسی وجہ سے حدیث مذکورہ میں جانور کا ذکر ہے، ویسے نذر لغیر اللہ کے ملعون اور مجرم ہونے میں جانور کی تخصیص نہیں بلکہ جو چیز بھی نذر لغیر اللہ کی جائے گی وہ حرام اور ملعون ہوگی بالفاظ دیگر جانور کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، کما لا یخفیٰ علی اہل العلم۔

میرے بزرگوں اور میری ماؤں بہنو! ذرا سوچو کہ جن بزرگ کی تم نذر مانتی ہو اگر ان کو لینے دینے میں اور موت اور زندگی میں کچھ اختیار رہتا تو ان کو خود موت کیوں آتی اور ان کے بال بچوں کو موت کیوں آئی تم مزاروں پر رہنے والے مجاوروں کے چکر میں مت آؤ وہ اپنے پیٹ کی وجہ سے خود ڈوبے ہوئے ہیں، اور تم کو بھی ڈبا دیں گے، یہ لوگ بزرگوں کی من گھڑت تعریف کر کر کے عورتوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں کہ یہ بزرگ بہت ہی پہنچے ہوئے ہیں، انہوں نے مٹی کو سونا کر دیا، پانی کو دودھ کر دیا، بانجھ کو لڑکا دیدیا تم بھی پانچ روپئے ان کی نذر کر کے چڑھا دو فلاں حاجت پوری ہوگی، مٹھائی چڑھا دو فلاں مشکل حل ہو جائے گی، ذرا

سوچو تو سہی کہ اگر چیزیں چڑھانے ہی سے حاجتیں پوری ہو جایا کرتیں اور مشکلیں حل ہو جایا کرتیں تو یہ مجاور جو ہر وقت بزرگوں کے سر چڑھے رہتے ہیں بھیک کیوں مانگتے، ان کی مشکلیں کیوں حل نہیں ہو جاتیں، یہ کیوں پریشان حال رہتے ہیں، بہر حال یہ سب مجاوروں کی مکاری ہے، خود شرک کے گڈھے میں گرے ہوئے ہیں، تم کو بھی گرانا چاہتے ہیں، ان سے بچنا چاہیے،

اللھم احفظنا من شرور شیاطین الجن والانس ومن شرور انفسنا"۔

ہمارے بعض قبوری شریعت والے بھائی ایسے موقع پر فرما دیتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی قبروں کا سجدہ اس خیال سے نہیں کرتے کہ وہ خدا ہیں اور نہ نذر و منت ہی اس خیال سے مانتے ہیں کہ وہ خدا ہیں بلکہ ان کا سجدہ اور ان کی نذریں بایں خیال کرتے ہیں کہ وہ خدا کے مقبول بندے ہیں، ان کے واسطے سے ہماری رسائی حقیقی خدا تک ہو جائے گی، جس طریقے سے دنیا کے بادشاہ تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے بادشاہ کے خادمین اور نوکروں اور بادشاہ کے دربانوں سے ملا جائے اور ان کو خوش کیا جائے تاکہ وہ خوش ہو کر ہم کو بادشاہ تک پہنچا دیں، براہ راست بادشاہ تک کوئی جا ہی نہیں سکتا، جب دنیا کے بادشاہ کا یہ حال ہے کہ بغیر ان کے خادمین اور نوکروں سے ملے ہوئے کوئی ان تک پہنچ نہیں سکتا، تو خدا تعالیٰ تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس تک بغیر اس کے مقربین اور مقبولین سے ملے ہوئے کیسے پہنچا جا سکتا ہے لہٰذا ہم سب کو سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے مقربین اور مقبولین بندوں کی مزاروں پر جانا چاہیے اور انکا سجدہ کرنا چاہیے، ان کی نذریں ماننا چاہیے، ان کی چادریں چڑھانا چاہیے، عرس منانا چاہیے، قوالیاں گانا چاہیے، تاکہ وہ خوش ہو کر ہم کو خدا تک پہنچا دیں۔

میرے بزرگو اور دوستوں اور میری ماؤں بہنو! یہ آپ کا محض خام خیال اور قیاس باطل ہے ایسے غلط حیلہ سازیاں خدا کے یہاں نہیں چل سکتے، بعینہٖ یہی خیالات اور قیاس آرائیاں کفار مکہ بھی تھے، جس کو خدا تعالیٰ نے ۲۳ ویں پارے کے اندر بیان کیا ہے، "مَا

نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَا اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی'' یعنی ہم اپنے بتوں کی عبادت اس خیال سے نہیں کرتے وہ کہ وہ ہمارے حقیقی خدا ہیں بلکہ ایک دوسری حدیث کے اندر ہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو غیر خدا کے نام پر جانور وغیرہ کو نذر کر کے ذبح کرے، چونکہ زمانۂ جاہلیت میں جانور ہی کی زیادہ نذر مانی جاتی تھی، اس وجہ سے حدیث مذکورہ میں جانور کا ذکر آیا، ویسے ملعون ہونے کے لیے جانور کی تخصیص نہیں بلکہ غیر خدا کے لیے جس چیز کی بھی نذر مانی جائے گی لعنت کا مستحق ہوگا۔

لیکن کیا کریں مجبور ہیں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے ''وانا لہ لحافظون''یعنی ہم قرآن کو پوری طرح محفوظ رکھیں گے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے اندر ایک حرف بھی تحریف کرے (ایک حرف تو در کنار اگر ایک نقطہ بھی غلط ہو جائے گا تو اس کو آٹھ سال کا بچہ درست کر دے گا) اگر خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کا وعدہ نہ لیا ہوتا تو آج چودہویں صدی کے قبر پرست مسلمان یہودیوں کے ذریعہ سے قرآن بدلنے میں تامل نہ کرتے، لیکن کیا کریں اور تحریف قرآن کریں تو کیسے کریں، خود خدا تعالیٰ نے تو اس حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔

بہر حال خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ صرف آقائے دو جہاں سردار انبیا ﷺ کا اتباع ہے، قبروں اور مزاروں پر سر رگڑنے سے اور سجدہ کرنے سے کبھی خدا نہیں مل سکتا، خدا کے سامنے سر رگڑنے سے خدا ملتا ہے، اگر خانۂ کعبہ میں سر رگڑو گے تو خدا کو پالو گے، مسجد نبوی میں سر رگڑو گے تو خدا کو پالو گے، مسجد اقصیٰ محمد سر رگڑو گے تو خدا کو پالو گے، خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے در پر سر رگڑنے سے خدا نہیں ملتا ہے، یہ کھلا ہوا شرک ہے۔

میرے محترم بزرگوں اور دوستوں! اگر بھلا برا راستہ ہی معلوم کرنا ہے تو زندہ پیروں اور بزرگوں سے ملو، زندہ علماء اور صلحاء سے ملو اور ان سے بیعت ہو کر اور استفادہ

کر کے بھلے برے سے تمیز کرو، فوت شدہ پیروں اور بزرگوں سے اور فوت شدہ علماء اور صلحا سے کیا معلوم کر سکتے ہو؟ اور وہ کیا آپ کو بتلا سکتے ہیں؟

میری اس تقریر سے یہ ہرگز گمان نہ فرمائیں کہ میں بزرگوں کے فیض سے انکار کرتا ہوں ہرگز نہیں، میرا اور تمام ہی اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ بزرگوں کے فوت ہونے کے بعد بھی مزاروں اور پر برابر فیض جاری رہتا ہے لیکن فیضیابی اس وقت ہوسکتی ہے جب زیارت کا طریقہ صحیح ہو، اور وہی طریقہ ہو جو صحابہ کرامؓ کا تھا جیسا کہ میں پہلے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ بزرگ کو بزرگ کے درجے میں رکھا جائے خدا کا درجہ نہ دیا جائے، غلط طریقوں سے بزرگوں سے فیضیابی نہیں ہوسکتی، غور کرو کہ ابولہب اور ابوجہل کا طریقہ غلط تھا اپنے آباؤ واجدا کے طریقوں پر وہ دھرم اور بضد تھے تو وہ باوجود حضور اکرم ﷺ کے چچا ہونے کے حضور ﷺ کا فیض حاصل نہ کر سکے، محروم ہی رہے۔

عبداللہ ابن ابی کو حضور ﷺ کے طریقے سے اندرونی عداوت تھی تو باوجود اسلام اور ایمان کے دعویٰ کے حضور ﷺ کے دریائے فیض سے ایک قطرہ بھی نہیں لے سکا، بلکہ منافق کا خطاب پایا، اور ادھر حضرت عمرؓ جیسے اسلام کے جانی دشمن جو حضور ﷺ ہی کو شہید کرنے کے لیے چل دیئے تھے لیکن انہوں نے اپنا طریقہ درست کر لیا تو حضور ﷺ کے دریائے فیض سے ایسے مستفیض ہوئے کہ حضور نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہی ہوتے۔

غرضیکہ حصول فیض کا مدار طریقہ رسول پر ہے، قوالیاں گا گا کر اور ڈھولک بجا بجا کر فیض حاصل نہیں کر سکتے، چراغاں کر کے اور کھیل تماشہ بنا کر فیض حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ ان سب کی حدیثوں میں سخت ممانعت وارد ہے اور حدیثوں کی مخالفت کر کے کوئی فیض یاب نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆☆

مقصد تخلیق

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! فقد قال الله تعالیٰ فی القرآن المجید و الفرقان الحمید: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا، وقال الله تعالیٰ فی مقام آخر: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ.

محترم بزرگوں اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین سے لے کر آسمان تک بے شمار چیزیں اور بے شمار مخلوق پیدا فرمائی ہیں اور یہ تمام کی تمام چیزیں آگ، پانی، مٹی، ہوا، زمین وآسما، سورج، چاند، حجر وشجر، چرند وپرند جو کچھ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے سب کا سب انسان ہی کے فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ بقرہ کے اندر ارشاد فرماتے ہیں هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ نے تمہارے ہی فائدے کے لیے پیدا کیا، نیز حضور ﷺ کی احادیث بھی اس مفہوم کی بکثرت ملتی ہیں، مثلاً "ان الدنیا خلقت لکم و انکم خلقتم للآخرة" یعنی دنیا تمہارے واسطے پیدا کی گئی اور تم آخرت کے واسطے پیدا کیے گئے، تو بمصداق آیات قرآنی اور بمصداق احادیث نبوی جو کچھ بھی کائنات کے اندر ہے، وہ سب ہمارے ہی واسطے پیدا کیا گیا ہے، لیکن ہم تمام انسان ان میں سے کسی بھی چیز کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔

غور فرمایئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہوا کو ہمارے واسطے پیدا فرمایا ہے، اگر ہوا کو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک منٹ کے لیے بھی دنیا سے اٹھالیں تو ہم سانس نہ لے سکنے کی وجہ سے ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، بغیر ہوا کے انسانی وجود محال ہے، لیکن اگر ہم تمام انسان نہ رہیں تو ہوا کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔

ایسے ہی پانی کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے ہی واسطے پیدا فرمایا ہے، بغیر پانی کے ہماری زندگی ممکن نہیں، لیکن ہم تمام انسان نہ رہیں تو پانی کا بھی کچھ نہیں بگڑ سکتا، ایسے ہی سورج اور چاند کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اگر سورج چاند وغیرہ نہ رہیں تو ہمارے کھانے کی چیزیں غلہ، اناج، پھل پھول وغیرہ کی پیدائش بھی ختم ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کے اندر ایک ایسی تاثیر رکھی ہے، جس سے پھولوں، پھلوں اور دانوں کے اندر رنگ اور پختگی، شیرینی پیدا ہوتی ہے، سورج کا نہ رہنا تو بہت بڑی بات ہے، صرف سورج کی شعائیں بچا کر کسی درخت کو چھپر یا کمرے میں لگا کر دیکھئے کہ نہ تو پھول ہی آئیں گے اور نہ پھل ہی آسکتے ہیں، کچھ ہی دنوں کے بعد درخت مرجھا کر سوکھ سا کھ جائے گا، تو جب سورج کی صرف شعائیں نہ پڑنے کی وجہ سے درخت وجود پذیر نہیں ہو سکتا ہے تو اگر سورج سرے سے مفقود ہی ہو جائے تو بتایئے درخت اور پھل پھول کا وجود کیسے ممکن ہو سکتا ہے، غرضیکہ درخت اور پھل پھول وغیرہ یہ سب بعطائے الٰہی سورج ہی کا فیض ہے، تو سورج کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے ہی فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے اگر سورج نہ رہے تو ہم مایوس الحیات ہو جائیں گے، ہمارا سب کچھ بگڑ جائے گا لیکن اگر ہم نہ رہیں، تو سورج کا کچھ بھی نہیں بگڑتا، وہ اسی طرح سے نہایت آب وتاب کے ساتھ نکلتا رہے گا۔

ایسے ہی چوپاؤں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے ہی واسطے ہماری قدرت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اگر چوپائے نہ رہیں تو ہم دودھ کہاں سے لائیں گے، گھی کہاں پائیں گے، ہل کے لیے جانور کہاں میسر ہوں گے، لیکن اگر ہم نہ رہیں تو ان کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا بلکہ یہ بالکل آزاد ہو جائیں گے اور نہایت خوش وخرم جنگلوں میں پھدکتے پھریں گے، غرضیکہ ہر ہر چیز کو خالق کائنات نے انسان ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے، حتی کہ ہزاروں اور

لاکھوں فرشتوں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان ہی کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے، لیکن انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی کسی بھی چیز کے لیے پیدا نہیں فرمایا ہے۔

اب قابل غور یہ امر ہوگا کہ حکیم مطلق نے جب کسی بھی چیز کو بے حکمت و بے فائدہ نہیں پیدا فرمائی، تو کیا انسان جیسے اشرف المخلوقات کو بے حکمت اور بے فائدہ ہی پیدا فرما دیا ہوگا؟ نہیں بلکہ ضرور کوئی بڑی چیز اور مہتم بالشان امر کے لیے پیدا کیا ہوگا وہ بڑی چیز کیا ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. (الذاریات: ٥٦) " ہم نے جن اور انس کو صرف عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، ، چیزوں کو تو تمہارے واسطے پیدا کیا اور تم کو عبادت کے لیے پیدا کیا۔

لیکن افسوس کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو جس مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا، اس سے کوسوں دور ہیں، اور چیزوں کو جس مقصد کے لیے اور جس کام کے لیے پیدا کیا وہ سب اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں، گھوڑے کو اللہ تعالیٰ نے ہماری سواری کے لیے پیدا فرمایا، ہم جس وقت چاہتے ہیں اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے ہیں اور وہ نہایت خوشی سے اپنی سواری دیتا ہے، کسی وقت بھی اپنی پیٹھ نہیں موڑتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی طاقت دے رکھی ہے اور اتنا چست بنا رکھا ہے کہ وہ بگڑ جائے، ہماری مجال نہیں کہ اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ سکیں۔

☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! فقد قال الله تعالیٰ فی القرآن المجید و الفرقان الحمید: وما ارسلناک الا رحمة للعالمین.

ایک بار سبھی حضرات درود شریف پڑھ لیں۔

میرے محترم بزرگوں اور دوستو! سامعین کرام! میں نے آپ حضرا کے سامنے ایک آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ ہے، اے نبی ہم نے آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، اس آیت میں عالم کا لفظ ہے، جس کے معنی ماسوا اللہ کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شئ اور ہر چیز عالم ہے، ملائکہ اور فرشتے بھی عالم، انسان اور جنات بھی عالم، چرند و پرند بھی عالم، زمان اور مکان بھی عالم، غرضیکہ کائنات اور مخلوقات کا ذرہ ذرہ عالم میں داخل ہے، اس معنی کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بالکل عام ہے، یعنی کہ ایک قوم یا خاندان کے لیے کسی نوع یا جنس کے لیے یا ایک شہر یا ملک کے لیے یا کسی ایک مکان یا زمان کے لیے ہی صرف خاص نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کائنات کے اندر مخلوقات کے ذرے ذرے کو عام ہے، دوست بھی آپ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوئے، دشمن بھی آپ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوئے، مومن بھی آپ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوئے، کافر بھی آپ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوئے، امراء بھی آپ کے چشمۂ رحمت سے سیراب ہوئے، غرباء بھی آپ کے چشمۂ رحمت سے سیراب ہوئے، انسان اور غیر انسان بھی آپ کی رحمت عامہ سے مستفید ہوئے، طائف کے موقعہ پر غور فرمایئے کہ جانی اور خونخوار دشمنوں پر آپ کی رحمت کی بارش ایسی ہوئی کہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی،

حضور رحمت عالم ﷺ نے ایمان ویقین کی دعوت کے لیے طائف کا سفر فرمایا، اور وہاں قبیلہ ثقیف کے تین بڑے سرداروں سے دین کے سلسلے میں گفتگو فرمائی اور ایمان و یقین کی دعوت دی، مگر ان لوگوں نے بجائے آپ کی بات سننے کے صاف جواب دیدیا، اور انتہائی بد اخلاقی سے پیش آئے، ان میں سے ایک نے کہا واہ واہ آپ ہی کو خدا نے نبی بنا کر بھیجا ہے، دوسرا بولا تمہارے علاوہ کوئی دوسرا خدا کو ملا ہی نہیں تھا، جسے رسول بنا کر بھیجتا، تیسرے نے کہا کہ جا میں تجھ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا، اس کے بعد حضور رحمت ﷺ ان لوگوں سے مایوس ہو کر دوسرے لوگوں سے گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا مگر کسی نے بھی آپ کی بات قبول نہیں کی، بجائے قبول کرنے کے وہ بدتمیز کہنے لگے کہ تم ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ، حضور رحمت ﷺ جب ان لوگوں سے بالکل ہی مایوس ہو کر واپس آنے لگے تو ان لوگوں نے شہر کے شریر لڑکوں اور غنڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، تا کہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں، تالیا پیٹیں، پتھر ماریں، ڈھیلے چلائیں، چنانچہ ان بدمعاشوں نے آپ پر اس طرح سنگ باری اور اس قدر پتھراؤ کیا کہ آپ کے دونوں جوتے مبارک خون سے لہولہان ہو گئے، آپ کا سر مبارک بھی مجروح تھا، آپ کے دست مبارک بھی مجروح تھے، آپ کے پائے مبارک بھی مجروح تھے، غرضیکہ آپ زخموں سے چور چور تھے، جب زخموں سے چور چور ہو کر آپ بیٹھ جاتے تو وہ شریر آپ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پھر پتھراؤ شروع کر دیتے، مگر قربان جایئے وہ سراپا صبر وتحمل بجائے اس کے کہ بددعائیں دیتا اور ان کی تباہی و بربادی کے لیے خدائے منصف سے التجائیں کرتا، اس کی فلاح و بہبودی اور ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرنے لگا، اس بے مثال صبر وتحمل اور عفو و معافی کو اور دوسری طرف نا قابل برداشت ظلم وستم کو دیکھ کر مالک الملک کی شان قہاری کو جوش آ گیا، اب کائنات کا ہر ذرہ اس ظلم وستم پر انتقامی حملہ کے لیے آمادہ ہے، آسمان بھی ان گستاخوں پر پھٹ پڑنے کے لیے تیار ہے، زمین بھی ان ستم گروں

کو ہڑپ کر جانے کے لیے مستعد ہے، پہاڑ بھی ان سفاکوں کو چکنا چور کر دینا چاہتے ہیں، اتنے میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ایک فرشتہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ان **طائفی** گستاخوں اور ظالموں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے آپ جو حکم فرمائیں ہم تیار ہیں، اگر آپ حکم فرمائیں تو دونوں جانبوں کے پہاڑوں کو باہم ملا کر سب کو کچل کر ہلاک کر دیں، یا جو سزا آپ فرمائیں ان کو دینے کے لیے ہم آمادہ ہیں، آپ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ اے جبرئیل! یہ نادان ہیں، ناواقف ہیں، جاہل ہیں اگر یہ ہم کو جانتے ہوتے تو ہم پر اس طرح بے باکی سے سنگ باری اور پتھراؤ کر کے لہولہان نہ کرتے، اگر آج یہ لوگ ایمان قبول نہیں کر رہے ہیں، تو ان شاء اللہ ہمیں امید ہے کہ کل ان کی اولاد ایمان کی دولت سے ضرور مشرف ہو کر ایک وحدہ لاشریک کی عبادت کرے گی، ہم ان کی تباہی و بربادی کبھی نہیں چاہ سکتے، گویا آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رحمت بنا کر بھیجا ہے زحمت بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

یہ ہے "**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**" کیا اس رحمت کی دنیا مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک طرف پتھراؤ کیا جا رہا ہو، دوسری طرف دعائیں دی جا رہی ہوں، میرے بزرگوں یہ الم ناک اور دل آزار واقعات کیا اس لیے واقع ہوئے کہ ہم لوگ ان کو سن لیں اور جھاڑ کر چل دیں، نہیں، یہ واقعات اس لیے وقوع پذیر ہوئے کہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں، کہ آپ ﷺ نے امت کی فلاح کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دیں اور کس قدر دیں اور آج ہم دین پر کتنی قربانیاں دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کی مقدس سیرت سے کامل سبق سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رب صل و سلم دائما أبدا ☆ علی حبیبک خیر الخلق کلهم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

توبہ کیجئے

نوشتہ تحریر: ۱۹۸۱/۲/۲۳ء

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم، وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (النساء: ۱۱۰)

ترجمہ: اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے، پھر اللہ سے بخشواوے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان۔ (ترجمہ شیخ الہند)

محترم بزرگو اور دوستو اور میری ماؤں اور بہنو! ابھی ابھی آپ حضرات کے روبرو ہمارے مدرسہ کے ایک ساتھی عزیزم محمد اسلام سلمہ نے آیت قرآنیہ کی روشنی میں توبہ کے متعلق انتہائی مؤثر انداز میں تقریر کی، اسی سلسلے کی آیت میں نے ابھی تلاوت کی جس کا ترجمہ اور مفہوم گوش گذار کر رہا ہوں، امید ہے کہ توجہ سے سماعت فرما کر عمل پیرا ہوں گے، آیت کریمہ کا ترجمہ ہے کہ جو شخص گناہ کر بیٹھے اپنے من میں برائی کر ڈالے، پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے اور اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ یہ ہے آیت کریمہ کا ترجمہ۔

مطلب یہ ہے کہ گناہ کیسا بھی ہو، اس کا علاج توبہ اور استغفار ہی ہے، سچی توبہ کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، بغیر توبہ اور رحمت سے محروم رہیں گے، گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسان کے لیے خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد کس قدر امید افزا اور گرتے ہوئے کو سہارا دینے والا ہے، جب گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً رحم اور معافی کی درخواست کرنی چاہیے، جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب کے سب اللہ تبارک و

تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سربسجود ہو گئے، مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور عقلی دلائل سے اپنے قصور کو چھپانا چاہا، مگر خدائے احکم الحاکمین کے سامنے دلائل کیا کام کر سکتے تھے، ہمیشہ کے لیے ابلیس ملعون اور مردود ہو گیا۔

گفت شیطان من ز آدم بہترم ☆ تا قیامت گشت ملعون لاجرم (۱)

اور جب آدم علیہ السلام سے بھول ہو گئی تو فوراً انہوں نے اپنی بھول کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی چاہی، "ربنا ظلمنا انفسنا" آخر تک۔

اے میرے پروردگار! میں نے اپنے حق میں بڑا ظلم کیا اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں یقیناً تباہ ہو جاؤں گا۔

غرضیکہ آدم علیہ السلام نے جب خدا تعالیٰ سے اپنی لغزش کے بارے میں معافی کی درخواست کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا، اور تمام روئے زمین کا خلیفہ اور بادشاہ بنادیا، اور ابلیس نے معافی نہیں چاہی، غرور اور گھمنڈ سے اکڑتا رہا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی پھٹکار پڑی کہ قیامت تک کے لیے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے ملعون ومردود ہو گیا۔

راندہ شد ابلیس از متکبری ☆ گشت مقبول آدم از مستغفری

یعنی ابلیس محض تکبر کی وجہ سے ملعون ومردود ہو گیا، اور آدم علیہ السلام توبہ اور استغفار کی وجہ سے مقبول اور مقرب ہو گئے۔

برادرانِ اسلام! گناہ سرزد ہونے کے بعد جب بندہ اپنے گناہ پر نادم ہوتا ہے تو اس کی ندامت آنسوؤں کی شکل میں ظاہر ہونے لگتی ہے، جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور اس نادم اور پشیمان بندے کو معاف فرما دیتے ہیں، حدیث کا مفہوم ہے کہ جب بندہ اپنے گناہ پر نادم اور پشیمان ہوتا ہے تو اللہ

(۱) ترجمہ: شیطان نے تعمیل حکم سے روگردانی کی، اور کہا میں آدم سے بہتر ہوں۔ اور قیامت تک لیے ملعون ومردود ہو گیا۔

تبارک وتعالیٰ اس کومعافی مانگنے سے پہلے ہی معاف فرما دیتے ہیں، یعنی ندامت وپشیمانی خودہی توبہ ہے، گناہ خواہ کتنے ہی ہوں، اگر سچے دل سے پوری ندامت کے ساتھ توبہ کرلی جائے تو گناہ سے بالکل پاک وصاف ہوجائے گا۔

حضوراکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن عبد الله بن معوذ قال قال رسول الله: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهٗ. (مشکوٰۃ: ۲۰٦، باب الاستغفار والتوبۃ)

یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو، توبہ کرنے والے کے گناہ خدا تعالیٰ ان فرشتوں کو بھی بھلا دیتا ہے، جنہوں نے گناہوں کو لکھا تھا اور ان ہاتھ پاؤں کو بھی بھلا دیتا ہے جن سے گناہ سرزد ہوئے تھے، اور اس جگہ کو بھی بھلا دیتا ہے جہاں پر گناہ واقع ہوا تھا تاکہ جب خدا تعالیٰ کے روبرو پہنچے تو کوئی گواہ قائم نہ رہے، یہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسیع تر رحمت توبہ کرنے والوں کے حق میں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا. (التحریم: ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ۔ (شیخ الہند)

اور صاف دل کی توبہ یہ ہے کہ: آئندہ پھر گناہ کا ارادہ نہ ہو، اگر آئندہ گناہ کرنے کا ارادہ باقی رہا تو یہ سچی توبہ نہیں ایسی توبہ خدا کے نزدیک قبول نہیں، توبہ قبول ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ توبہ صاف دل سے کی جائی، اور آئندہ کے لیے گناہ سے بچنے کا ارادہ کیا جائے اور گذشتہ گناہوں پر پوری پشیمانی ہو، حرف زبان توبہ توبہ چلانے سے کچھ نہیں ہوتا، دلوں کا حال تو خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے، کون صاف دل سے توبہ کرتا ہے اور کون نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی پوری توفیق بخشے اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھے اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ ہوجائے تو سچی توبہ کی توفیق عنایت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

آپ ﷺ کی رحمت عام تھی (تقریر)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! فقد قال الله تعالیٰ فی القرآن المجید و الفرقان الحمید: وما ارسلناک الا رحمة للعالمین.

میرے محترم بزرگوں اور دوستو! آج یہ طلباء کا جلسۂ رحمت عالم ﷺ کے عنوان سے منعقد ہوا ہے، اس سلسلے میں نبی رحمت ﷺ کی رحمت عامہ کے سلسلے میں ہمارے ساتھی نے بے انتہاء مؤثر انداز میں روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ حضور رحمت عالم ﷺ کے خزانۂ رحمت سے کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، مفلس و تونگر، انسان و حیوان سبھی مستفید ہوئے، آپ کی ذات عالیہ سارے عالم کے لیے ایک بارانِ رحمت بن کر مبعوث ہوئی، آپ کا ابر رحمت دشت و جبل پر یکساں برسا، غرضیکہ ہمارے ساتھی نے ثابت کردیا کہ آپ ﷺ کے شجر رحمت کا سایہ اگر مسلم و مومن پر تھا تو کافر و مشرک پر بھی تھا، اس سلسلے میں طائف کا ایک عبرت ناک واقعہ بھی بیان کیا اسی سلسلے میں میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ توجہ سے سماعت فرمائیں گے۔

میرے محترم بزرگوں اور دوستو! دشمنوں اور ظالموں کے لیے بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے، اور دشمنوں سے انتقام اور بدلہ لینا قانون کے تحت میں ہے مگر قربان جائیے رحمت عالم ﷺ پر کہ جو لوگ آپ کو گالیاں دیتے تھے ان کے حق میں آپ دعائے خیر فرماں ہیں، جو لوگ آپ کے خون کے پیاسے ہیں انہیں آپ پیار کررہے ہیں، قریش کی ستمگری اور جفا کاری کی داستان سے ہر مسلمان آگاہ ہوگا کہ انہوں نے دعوتِ حق اور تبلیغ اسلام کا جواب ایسے ظلم و ستم اور ایسی تعذیب اور ایذا رسانیوں اور ایسی تحقیر اور استہزاء سے دیا جس کے بیان کرنے کے لیے بھی سنگ دلی اور سخت دلی درکار ہے، یاد ہوگا کہ قریش کے

ظالموں نے آپ کا بائکاٹ کر کے تین برس تک شعب ابی طالب میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو محصور کر دیا، اور تاکید کر دی کہ نہ ایک دانہ غلے کا وہاں پہنچے، نہ ایک قطرہ پانی کا وہاں جائے، اگر ان کے بچے بھوک سے تڑپیں تو تڑپنے دیا جائے، اگر پیاس سے تلملائیں تو تلملانے دیا جائے، ذرہ برابر ترس اور رحم کھانے کی ضرورت نہیں، جو ترس کھائے گا اور ہمدردی ظاہر کرے گا اس کا بھی ایسے ہی بائیکاٹ کر دیا جائے گا، بہر حال بچے تڑپ تڑپ کر رونے لگے، ان بے دردوں کو ذرہ برابر ترس نہ آیا، بچوں کی تڑپتی ہوئی دردناک آواز کو سن کر یہ ظالم خوش ہو کر ہنستے تھے مگر حضور رحمت ﷺ نے ان ستمگروں کے ظلم وستم کے عوض میں ایسا سلوک کیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں ملنا دشوار ہے، غور سے سنئے! قریش کی بدسلوکی اور بے رحمی اور اس ظالمانہ بائیکاٹ کے جرم میں قہر خداوندی اور غضب الٰہی وقحط سالی کی شکل میں اس قدر سختی سے نازل ہوا کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے، جس طرح سے شعب ابی طالب میں خدا کا معصوم اور اس کے بے گناہ ساتھی بھوک سے بے چین تھے ایسے ہی قحط کے عذاب سے یہ لوگ بھی بھوک سے تڑپنے لگے، جس طریقے سے یہ برگزیدہ ہستیاں دانے دانے سے ترسائی گئیں ایسے ہی قہر خداوندی نے انہیں ترسایا، جب یہ حالات ہو گئے تو ابو سفیان جو اس وقت حضور رحمت عالم ﷺ کا سخت مخالف اور جانی دشمن تھا آپ کی خدمت اقدس میں جا کر عرض معروض کرنے لگا کہ اے محمد! تمہاری قوم قحط سے ہلاک ہو رہی ہے، تم رحمت للعالمین ہو، مستجاب الدعوات ہو، اپنے خدا سے دعا کرو کہ یہ قہر الٰہی اور غضب خداوندی جو قحط کی شکل میں ہے، ختم ہو جائے، ابوسفیان کی بات سنتے ہی آپ کے دریائے رحمت میں جوش آیا، اور فوراً ہی دست بدعا ہو کر خدائے رحیم وکریم کی بارگاہ میں گڑگڑانے لگے، فوراً آسمانِ رحمت پر بدلیاں چھا گئیں اور موسلا دھار بارش کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، اور قحط کی مصیبت سے نجات مل جاتی ہے، یہ ہے "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"

اے نبی ہم نے آپ کوتمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، ایک طرف یہ ظلم وستم اور بے دردیاں اور بے رحمیاں کہ دانے دانے کوترسایا جارہا ہے، قطرے قطرے سے تڑپایا جارہا ہے، بھوک اور پیاس سے بچوں کوتڑپتے دیکھ کر ٹھٹھے اور قہقہے لگائے جارہے ہیں، دوسری طرف ان ظالموں اورستم گروں اور بے دردوں کے لیے بارانِ رحمت کی خدا سے دعا کی جارہی ہے کہ اس رحمت اللعالمینی کی کہیں ایسی شان مل سکتی ہے؟۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اسی ذات سراپائے رحمت کے ہم امتی ہیں، ایسی ذات کے ہم نام لیوا ہیں، ہم کو آپ کی سیرت مقدسہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے، اور سوچنا چاہیے کہ ہمارے اندر خلق خدا کا کتنا درد ہے، اور دوسروں کے لیے ہمارے اندر کتنی خیر خواہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کی صفت رحمت اللعالمین سے سبق حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆

اخلاص وللّٰہیت اور خدا کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آج دنیا سے اخلاص وللّٰہیت اور نیک نیتی بالکل اٹھ چکی ہے، ہر ہر چیز میں نام ونمود وریا اور دکھاوا کامل ہوگیا ہے اور شریعت، خاص طور سے دینی امور اور دینی کاموں میں نام ونمود وریا اور دکھاوا، تکلف اور تصنع، شہرت اور نام آوری کے شریعت سخت خلاف ہے، اور ان چیزوں کی احادیث میں شدید مذمت آئی ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لايَتَعَلَّمُهٗ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا. (رواه أبو داؤد، باب طلب العلم لغير الله: ٣٦٦٤)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سیکھنا چاہیے تھا، دنیا کا مال ومتاع حاصل کرنے کے لیے سیکھا ہو، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ (بحوالہ منتخب احادیث ص:٦٠٦)

اگر آپ نے مسجد محض شہرت اور ناموری کے لیے بنوائی ہے تو ایسی مسجد بنوانے کا خدا کے یہاں کوئی ثواب نہیں، ایسے ہی اگر آپ نے مدرسہ محض شہرت اور ناموری کے لیے بنوایا ہے تو ایسے مدرسہ بنوانے کا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی ثواب نہیں، ایسے ہی اگر آپ نے غریبوں کی مدد محض شہرت اور ناموری کے لیے کی ہے، تو ایسی امداد کا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی ثواب نہیں، ایسے ہی آپ نے حفظ شہرت کے لیے کیا ہے، یا علم شہرت کے لیے حاصل کیا ہے تو ایسے حفظ اور علم کا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی بھی اجر وثواب نہیں۔

غرضیکہ دین کا کوئی کام اگر شہرت اور ناموری کے لیے کیا گیا تو ایسا کام خدا تعالیٰ

کے نزدیک قطعی مردود ہے، کوئی اجر وثواب نہیں، بلکہ احادیث میں ایسے کاموں پر مذمت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ریاکار حافظ سے پوچھا جائے گا کہ تونے حفظ کس لیے کیا اور تلاوت کس لیے کیا کرتا تھا، وہ عرض کرے گا کہ اے خدا میں نے حفظ محض تیری خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، ارشاد ہوگا کہ اے شخص تو اپنے قول میں جھوٹا ہے تونے تو حفظ محض اس لیے کیا تو حافظ کہا جائے اور قرآن کو پڑھنے والا کہا جائے، سو دنیا کے اندر تو حافظ کہا جاچکا ہے پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ اس ریاکار کو منھ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو اسی طرح سے قاری اور عالم سے بھی سوال ہوگا۔

مروّجہ قرآن خوانی

میرے محترم بزرگو اور دوستو! یہ حدیث سننے کے بعد مروجہ اور رائج شدہ قرآن خوانیوں پر غور کرو کہاں تک اس کے اندر اخلاص وللّٰہیت اور خدا کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے اور کہاں تک شہرت اور ناموری مقصود ہوتی ہے، قرآن خوانیاں عموماً شہرت اور ناموری ہی کے لیے ہوتی ہیں، اور میں بتلا چکا ہوں کہ شہرت اور ناموری کا کوئی بھی فعل خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، بلکہ سخت عذاب کا باعث ہے، اگر شہرت اور ناموری مقصود نہیں تو پھر مٹھائی کی غلط قید کیوں نہیں ہٹائی جاتی ہے اور اس میں اپنی بدنامی اور ہجو کیوں محسوس کی جاتی ہے، بدنامی اور ہجو کا احساس دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ آپ کو شہرت اور ناموری ہی مقصود ہے، ورنہ جو چیز شرعاً غلط ہے اس میں بدنامی کے احساس کا کیا سوال، دوسری بات یہ ہے کہ مٹھائی کی تقسیم، پڑھنے والے کا حق سمجھا جاتا ہے اور حق سمجھ کر تقسیم کرتا ہے، یہ معاوضہ دینا ہے اور معاوضہ تلاوتِ کلام پاک پر حرام ہے۔ (دینی خدمات اور معاوضہ ص:۴۴(۱))

---

(۱) یہ کتاب ہمیں نہیں ملی۔

finish paper 17.5" x 2

بعض حضرات فرما دیتے ہیں کہ ہم مٹھائی اپنی خوشی سے تقسیم کرتے ہیں، پڑھنے والوں سے طے کرتے نہیں، اگر طے کریں تو معاوضہ ہو۔

میرے محترم بزرگو اور دوستوں یہ نفس کا حیلہ ہے، مروجہ قرآن خوانیوں میں مٹھائی اگرچہ زبان سے طے نہیں کی جاتی، مگر عرفاً طے ہی ہوتی ہے، چاہے اگر یہ بات ظاہر کردی جائے کہ فلاں جگہ قرآن خوانی میں کچھ شیرینی وغیرہ تقسیم نہیں ہوگی، تو سوائے چند مخصوص کے کوئی دوسرا نظر نہیں آئے گا اور نہ آنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ صرف مٹھائی ہی کے لیے آتے تھے، جس کو تجربہ کرنا ہو کرلے، اور خود قرآن خوانی کرنے والا بھی مٹھائی کی تقسیم ضروری سمجھتا ہے کہ ہم اگر مٹھائی کی تقسیم نہ کریں گے تو سخت بدنامی ہوگی اور ذلت ہوگی۔

غرضیکہ قرآن خوانی کرنے والے اور پڑھنے والے دونوں کے مابین مٹھائی عزماً اور رسماً طے شدہ ہے، اور دونوں کے نزدیک اس کی تقسیم بطور حق ضروری سمجھی جاتی ہے، خواہ زبان سے طے کی جائے یا نہ کی جائے۔

اگر مٹھائی کی تقسیم ضروری سمجھی گئی، اس کو پڑھنے والے کا حق سمجھا گیا، تو ایسی قرآن خوانی کا کوئی ثواب نہیں۔

بہرحال قرآن خوانی شہرت اور ناموری کے لیے کی گئی یا مٹھائی کی تقسیم ضروری سمجھی گئی یا کہیں رسم ورواج کی پابندی کی خاطر کی گئی تو ایسی قرآن خوانیوں کا کوئی ثواب نہیں۔

اس لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام تو اچھا اور مندوب ہے، لیکن قرآن خوانی؛ جس میں التزامِ شیرینی وغیرہ ہو، درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

علی حسن غفرلہ

تمت

☆☆☆☆☆

❖ دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل ❖

دارالمؤلفین - اردو، فارسی، عربی اور انگریزی - کتب کا ایک بڑا اور نہایت کارآمد ٹیلیگرام چینل ہے۔ جس میں آپ کو سات ہزار سے زائد کتابوں کا عظیم ترین ذخیرہ، ہر موضوع پر الگ الگ فہرستیں، نیز مشہور مصنفین کی الگ الگ فہرستیں آپ کو ملیں گی۔ جیسے:

(1) عقائد و علم کلام	(2) تفسیر	(3) علوم القرآن	(4) احادیث
(5) علوم الحدیث	(6) شروحات حدیث	(7) فقہ	(8) اصول فقہ
(9) احکام و مسائل	(10) بلاغت	(11) منطق و فلسفہ	(12) نحو و صرف
(13) ادب؛ عربی، فارسی، اردو	(14) سیرت رسول اکرم ﷺ	(15) سیرتِ صحابہ	(16) سیرتِ اکابر
(17) تازہ ترین رسائل و جرائد	(18) درس نظامی (مکمل)	(19) درود و دعائیں	(20) رد فرق باطلہ

☆ Join & Share ☆

https://telegram.me/darulmuallifeen

❖ فہرست کتب ٹیلگرام چینل ❖

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل میں اپلوڈ کی گئی؛ ایک سے زائد جلدوں والی کتب کی فہرست، مشہور شخصیات کی کتب کی فہرست اور درس نظامی کی (درجہ تا دورۂ حدیث و تکمیلات) کتب کی فہرست نیز فن اور موضوع کے اعتبار سے الگ الگ فہرست تیار کی گئی ہیں۔

☆ Join & Share ☆

http://telegram.me/darulmuallifeenfehrist

❖ رہنمائے خطباء ٹیلگرام چینل ❖

خطباءِ عظام کے لیے حالات حاضرہ کے مطابق خطبات و بیانات، مقالات مضامین اور ماہنامے سے مختلف عنوانات پر قیمتی مواد ڈاؤن لوڈ لنکس سمیت فہرست یا پی، ڈی، ایف کی شکل میں ارسال کی جاتی ہے۔

☆ Join & Share ☆

https://telegram.me/rahnuma_e_khutaba

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل

SAWANEH ALI HASAN

By: Mufti Muhammad Junaid Qasmi Ganj Muradabadi